ناولٹ

نازیہ جمال

محبت معتبر میری

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟ پاگل تو نہیں ہو گئیں؟"

عظمیٰ اس کی بات سن کر غصے سے چیخ پڑی۔ اسے ایک لمحے کو گمان ہوا' شاید اس کا ذہنی توازن خراب ہو چکا ہے یا پھر وہ مذاق کے زبردست موڈ میں ہے۔ مگر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کے خوب صورت نقوش سے سجے چہرے پہ مذاق کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ ہاں بس جہاں بھر کی مظلومیت اور لاچاری چھائی ہوئی تھی۔

"پلیز یار! کچھ کرو' میں سخت پریشان ہوں۔" منت آمیز لہجے میں بولتے ہوئے اس نے عظمیٰ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔ انداز میں اس حد تک عاجزی تھی کہ لگتا تھا' کسی لمحے ہاتھ چھوڑ کر پاؤں پکڑنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔

"دفع ہو جاؤ۔ اس قسم کی فضول بونگیوں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔" عظمیٰ نے جھٹکے ہاتھ چھڑا لیے۔

"تو ٹھیک ہے۔ پھر آج میرا تمہارے گھر آخری دن ہے۔ بلکہ گھر کیا' ہماری دوستی کا بھی دی ہو گیا آج سے۔"

عظمیٰ کے صفاچٹ انکار نے جیسے اس کے آگ بھر دی تھی۔ فوراً" طیش میں آکر بیگ کند ڈالا اور ساتھ پڑی چادر اٹھا کر اوڑھنے لگی۔ وہ چہرہ بے کسی' بے چارگی' التجا اور مظلومیت کے ر چھائے ہوئے تھے۔ اب صرف وہاں غصہ' ناراضی بے گانگی ہی نظر آ رہی تھی۔

"مہرماہ! ایسے تو مت کرو۔" عظمیٰ اس کے کندھے سے بیگ زبردستی اتارتے ہوئے روہانسی ہو کر بولی۔

"میں تمہاری دوست ہوں۔ اصلی اور پکی والی۔ یہ دشمنوں جیسا رول کیوں پلے کروانا چاہتی ہو مجھ سے؟" عظمیٰ عاجزی سے بولی۔

"ہونہہ! دوست۔" اس نے طنز سے ہنکارا بھرا۔ "دوست وہ ہوتا ہے، جو مشکل وقت میں کام آئے نا کہ آنکھیں پھیرے۔ تمہارا فرض بنتا ہے کہ اپنی اکلوتی فرینڈ کی ہر حال میں مدد کرو۔"

"اپنی اکلوتی فرینڈ کی یہی مدد کر سکتی ہوں کہ اسے اس قسم کی فضول حرکت سے روکوں کہ وہ نہ تو اپنے کردار کو لوگوں کی نظروں میں مشکوک بنائے اور نہ ہی اپنی بیوہ ماں کی پریشانیوں میں اضافہ کرے۔" عظمیٰ نے تحمل سے اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ جس کا الٹا اثر ہوا۔

"میں جانتی تھی، پھر بھی موہوم سی آس لیے تمہارے پاس چلی آئی۔ مگر خوامخواہ ٹائم ہی ویسٹ کیا۔" پلنگ کے نیچے جوتے ڈھونڈتے ہوئے وہ رکھائی سے بولی۔ اجنبیت، بے گانگی اور بے مہری ایک ایک انداز سے چھلک رہی تھی۔ عظمیٰ کچھ دیر اسے گھورتی رہی، پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو! بیٹھو مرو۔ میں باقر کو بلاتی ہوں۔" عظمیٰ جل کر بولی۔ پھر پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ سیدھے ہوتے ہوئے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ بجی

چند لمحوں بعد باقر سمیت عظمیٰ کی واپسی ہوئی۔ اس نے بیگ سے فوراً ایک چٹ نکالی، جس پہ ایک فون نمبر درج تھا۔

"باقر مائی لٹل بردار! آج تم سے ایک کام آپڑا ہے۔ تمہارے پاس اپنا موبائل تو ہے نا؟" بے حد پیار و نرمی سے بولتے ہوئے وہ صوفے پہ اس کے پہلو میں جا بیٹھی۔

"جی آپی! موبائل تو ہے۔ آپ کام بتائیں۔" باقر مؤدب ہو کر بولا۔ وہ عظمیٰ کی فرینڈ ہونے کے ناتے اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ بچپن سے اپنے گھر میں آتے دیکھا۔ اپنا کوئی بھائی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے سارے برادرانہ حقوق باقر کو سونپ دیے تھے۔ تب ہی تو اعتماد سے اس سے اپنا مسئلہ شیئر کرنے لگی۔

"اس نمبر پہ کال ملاؤ۔ عثمان نام کا ایک شخص کال ریسیو کرے گا۔ اسے صرف یہ کہنا ہے کہ "مہرماہ عنادل" جس سے اگلے ہفتے اس کی منگنی ہونے جارہی ہے۔ وہ کسی اور کی محبوبہ و معشوقہ ہے۔ بلکہ کسی اور کی کیوں تمہاری، یعنی باقر احمد کی ہے۔ جسے تم بے حد چاہتے ہو اور اگر اس بندے عثمان نے بیچ میں آنے کی کوشش کی تو اس کا حشر نشر کر دیا جائے گا۔" بے حد ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہوئے اس نے پورا اسکرپٹ باقر کے گوش گزار کیا۔ جسے وہ پچھلے ایک ہفتے کی مغزماری کے بعد تیار کرپائی تھی۔

"مگر کیوں آپی!" باقر تو بھونچکا رہ گیا۔

"بس میرے بھائی! بڑا مشکل وقت آپڑا ہے۔" باقر کی حیرانی و پریشانی بجا تھی۔ اسے اصل بات کے متن مع سیاق و سباق سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔

"عثمان امیر کا پرپوزل کوئی دو ہفتے قبل میرے لیے اس کی ماں، بہنیں لائیں۔ جدہ میں ایروناٹیکل انجینئر" کافی کھلا روپیہ پیسہ، گھر، زیور، سب کچھ لکھ کردینے کو تیار۔ ہماری اماں ریشہ خطمی نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں۔ "فوراً" سے پیشتر اس رشتے کو سند قبولیت بخشتے ہوئے ہمارے دیس نکالا کی تیاریوں میں لگ گئی ہیں۔ ان کے مطابق اگلے چاند کی کسی بھی تاریخ کو مایوں کا پیلا جوڑا ہمارے تن پہ سج جائے گا۔ بہت دہائیاں دیں۔ لاکھ سر پٹخا۔ مگر سب بے سود۔ ان کی ایک ہی رٹ جو میں ہوش سنبھالتے ہی سے سنتی چلی آرہی ہوں۔ تمہیں اپنے گھر کا کرکے بس سکون سے آنکھیں موندنا چاہتی ہوں۔" بولتے بولتے وہ رک گئی اور یاسیت بھری ایک لمبی سانس لی۔ جیسے اس سے آگے کچھ بولنا مشکل ہو رہا ہو۔

باقر کے لیے فون پہ کسی کو دھمکانا، ڈانٹنا کون سا مشکل کام تھا۔ دن کے چوبیس گھنٹے میں بارہ گھنٹے موبائل کے لیے تو بارہ انٹرنیٹ کے لیے مختص تھے۔ پاکستانیوں کی اکثریت کی طرح وہ بھی ان سہولیات کو غلط مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا عادی تھا۔ مگر مہرماہ کے لیے محبوبہ اور معشوقہ جیسے الفاظ نکالنا... جسے وہ بہن کہتا ہی نہیں مانتا بھی تھا۔ بہت ناگوار لگ رہا تھا۔

"پلیز میرے بھائی! کسی طرح اس بندے کو مجھ سے برگشتہ کردو۔ میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتی۔ ادھر اماں میرے انکار کو کسی خاطر میں نہیں لارہیں۔ بس یہی ایک راستہ بچا ہے میرے پاس کہ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے۔" باقر کو خاموش پاکے وہ منتوں پر اتر آئی۔ منتوں کا سیشن پھر سے شروع ہوا چاہتا ہی تھا کہ باقر نے اس کے ہاتھ سے چٹ لے لی۔

"اوکے! میں کچھ کرتا ہوں۔ آپ کے سامنے تو اس بندے سے بات کرتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔ رات اپنے کمرے میں ہی ٹھیک رہے گا۔" باقر اٹھ کھڑا ہوا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کی جان میں جان آگئی۔ سر سے ایک بوجھ سا ٹل گیا تھا۔

"چلو جی! کرلیا معرکہ سر؟" عظمیٰ جو اس دوران خاموش تماشائی بنی کھڑی اسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہی تھی۔ باقر کے جانے کے بعد طنز سے پوچھنے لگی۔

"جو بھی سمجھو۔ اب کم از کم رات کو نیند تو آرام سے آئے گی نا۔ قسم سے پورے ایک ہفتے سو نہیں پائی ہوں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"تمہیں خالہ جان کا تو خیال کرنا چاہیے۔" عظمیٰ کا انداز شرمندہ کرنے والا تھا۔

"ان ہی کا تو کر رہی ہوں۔" وہ ترنت بولی۔

"تم نہیں جانتیں کیا اماں کا میرے علاوہ اور میرا اماں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ موصوف شادی کے بعد مجھے اپنے ساتھ سعودی عرب لے جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ سوچو! میرے بعد اماں کتنی اکیلی رہ جاتیں۔ انہیں کس کے سہارے پہ چھوڑ کے میں اتنی دور الگ دنیا بسا لوں۔" بولتے بولتے اس کا لہجہ بھیگ گیا۔ پلکوں پہ شفاف موتی آٹکے۔

"تم اپنی محبت سے مجبور ہو کر کہہ رہی ہو، جو یقیناً" غلط نہیں، مگر ایک بیٹی کو وقت پہ وداع کرنا بھی تو ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے۔ خالہ بھی تو کچھ غلط نہیں چاہتیں۔" عظمیٰ نے نرمی سے بولتے ہوئے اس کے آنسو اپنی انگلی سے چن لیے۔

☼ ☼ ☼

دوپہر میں ڈھیر سارا سوچنے کے بعد وہ لمبے ریشمی سنہری بالوں کا جوڑا بناتی باہر چلی آئی۔ اماں گھر گھر کپڑے بیچنے والی سے بھاؤ تاؤ میں مصروف تھیں۔ سرخ، زرد، نیلے، اودے، ہر رنگ کے ریشمی کامدار

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول

دل کے موسم
مریم عزیز
قیمت 250 روپے

ننگے پاؤں
نگہت سیما
قیمت 250 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37، اردو بازار، کراچی

جھلملاتے کپڑے دری پہ بکھرے ہوئے تھے۔ اماں نے اسے دیکھا تو پکار لیا۔

"مہپاره! ادھر آؤ' دیکھو' نارنجی رنگ تمہارا پسندیدہ ہے نا؟" وہ ایک نارنجی رنگ کا موتیوں و ستاروں سے مزین چمکیلا و بھڑکیلا سوٹ اٹھائے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہوں... ٹھیک ہے۔ آپ کو پسند آرہا ہے تو لے لیں۔" وہ بجے دلی سے کہتی صوفے پہ گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔ سارے جسم میں سستی بھری تھی۔ ایک عجیب سی کسل مندی چھائی تھی اس پہ۔

"یہ آپ کی بیٹی ہے جی!" موٹے موٹے پکے نقوش والی سانولی سی عورت نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ نظریں واضح طور پر اسے سراہ رہی تھیں۔

"ہاں! یہی ایک میری اولاد ہے۔" اماں دوپٹے کے جوڑے بارڈر پہ ہاتھ پھیر کر کام کی نفاست کا اندازہ لگانے لگیں۔

"بڑی سوہنی بیٹی ہے آپ کی۔ بس! اللہ آگے نصیب بھی ایسا سوہنا کرے۔" عورت دعائیہ انداز میں بولی۔ اماں نے پانچ مختلف رنگوں کے جوڑے الگ سے نکال لیے۔ گویا پوری گٹھڑی میں سے نہیں یہی پانچ جوڑے پسند آئے تھے۔ باقی کو تہہ لگانے میں عورت کی مدد کرنے لگیں۔

"بس! تم اب اپنا حساب کرو۔" سارے کپڑے پھر سے گٹھڑی میں بندھ چکے تھے۔

"جو آپ مناسب قیمت لگائیں۔ مجھے منظور ہے۔ حساب تو آپ کو بتا چکی ہوں۔"

اماں اور عورت میں مول تول جاری تھا۔ وہ اکتا کر اندر کمرے میں آگئی۔ ٹی وی چلا کر ابھی ایک' دو چینل سرچ کیے ہی تھے کہ لائٹ چلی گئی۔

چوبی کھڑکی کے پٹ زور سے آپس میں ٹکرائے۔ مٹی سے بھری ہوا کا تیز جھونکا اندر آیا تھا۔ کمرے کی ہر چیز پہ گرد کی ہلکی سی تہہ آجمی تھی۔ وہ باہر نکلی۔ آسمان پہ شمال کی طرف سے زرد آندھی کا غبار اٹھتا نظر آیا۔

اماں چارپائیاں گھسیٹ کر اندر برآمدے میں لا[نے] لگیں۔ وہ صحن میں بکھری چیزیں اٹھانے میں اماں کی مدد کرنے لگی۔ آندھی اتنی تیز تھی کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

سورج کی روشنی پہ طوفان کی تیرگی غالب آچکی تھی۔ اسی گرد و غبار کے طوفان میں بادل بھی چھپے تھے جو اتنی زور سے کڑکے کہ ایک لمحے کو مہپاره اماں سے لپٹ گئی۔ وہ لالٹین اپنے سر سے اونچا کیے کمرے کی چھت کے چاروں کونوں میں نظر دوڑا رہی تھیں۔

باہر چھاجوں چھاج مینہ برس رہا تھا۔ چھت کے چاروں کونوں سے بارش کا پانی اندر آرہا تھا۔

اماں نے لالٹین کیل پہ اٹکانے کے بعد شیلف کے سارے برتن اتار کر دیواروں کے ساتھ لگا دیے۔ چند سیکنڈز میں برتن لبالب بھر جاتے اور اماں انہیں باہر صحن میں خالی کر آتیں۔

قدرت یہ مشغلہ انہیں ہر برسات میں فراہم کرتی تھی۔ سالوں سے یہ شغل جاری تھا۔ وہ بے تاثر نظروں سے ماں کو اندر باہر آتا دیکھتی رہی۔

"مہپاره! تم ٹارچ لے کر ذرا دوسرے کمرے کا جائزہ تو لو۔ ماں کی خواری تو تمہیں نظر نہیں آرہی۔" اماں اسے یوں ساکت کھڑا پا کر غصے سے بولیں۔ وہ خاموشی سے ٹارچ اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی آئی۔

چاروں کونوں میں روشنی کا دائرہ گھمایا۔ دیواریں خشک تھیں۔ اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"چلو! شکر ہے یہ چھت تو سلامت ہے۔ ورنہ پلستر تو سارے کا سارا اکھڑ چکا ہے۔ اینٹیں بھی ابھری ہوئی ہیں۔ بارش کا کیا قصور' ہم نے بھی تو کئی برسوں سے ان کی مرمّت نہیں کی۔"

اماں نے بھی آکر جائزہ لیا اور اطمینان کا اظہار کیا۔

"تمہارے ابا بہشتی اچھے دنوں میں بنوا گئے تھے۔ بڑا سستا زمانہ..." اماں کی بات ادھوری رہ گئی۔ ان کے سر پہ پانی ٹپکا تھا۔ پشت تو اسی لمحے مہپاره کی بھی گیلی ہوئی تھی۔ چھت کئی جگہوں سے بوند بوند پانی ٹپکانے لگی تھی۔ کچن کے سارے برتن فرش پہ سج چکے تھے۔

"تمہاری شادی کے فرض سے سبکدوش ہو کر پہلا کام اس کی مرمّت کا کرواتی ہوں۔ مگر کیا کروں' کافی پیسہ تمہاری چیزیں جوڑنے میں لگ گیا۔ کپڑے' برتن' زیور تو میرا اپنا شکر ہے' پڑا ہے۔" اندھیرے میں اماں کی آواز ابھری۔

"ان فضول سے چمکیلے واہیات کپڑوں سے زیادہ ضروری چھت کی مرمّت ہے۔" وہ غصے سے بولی۔ کئی گھنٹوں سے کھڑے رہنے کی وجہ سے ٹانگیں دکھنے لگی تھیں۔

"برتنوں کا اتنا ڈھیر لگا لیا جیسے میں وہاں جا کر کوئی کراکری کی دکان کھولوں گی۔" اسے اماں کی ان فضول خرچیوں پہ بہت غصہ آیا ہوا تھا۔

"جو بھی کرنا' چاہے باہر پھینکنا یا کسی کو اللہ واسطے دے دینا' مگر مجھے میرا فرض پورا کرنے دو۔" اماں جل کر بولیں۔ "جب سے رشتہ طے ہوا ہے۔ صاحب زادی کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ ہر وقت تیوریاں چڑھائے بس گونگے کا گڑ کھائے رہتی ہے۔ جیسے ماں نہ ہوئی کوئی دشمن ہو گئی۔ "جب بندے کو اوقات اور ضرورت سے زیادہ مل جائے تو یوں ہی ناشکری کرنے لگتا ہے۔ جیسے تم کر رہی ہو۔ بات بات پہ ماں کو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو۔" ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ اماں اس کے رشتے' منگنی' شادی یا جہیز کے متعلق کوئی بات یا دلچسپی دکھائیں اور مہپاره ان کا بائیکاٹ نہ کرے۔ وہ کھانا پینا' کام کرنا اور بولنا ترک کر کے کمرے میں بند ہو کر سوئی رہتی۔

اماں تو اس کی غیر سنجیدگی پر سخت تاؤ کھائے رہتی تھیں۔ کیا کرتیں اُس کے ساتھ۔ صرف ایک ہی جگر کا ٹکڑا۔ شادی کے بارہ سال بعد دعائے نیم شبی کی قبولیت کا انعام اور مرحوم شوہر کی نشانی۔ دل پہ پتھر رکھ کر رشتے سے انکار کہلوا بھیجتیں اور صاحب زادی اگلے ہی لمحے خوش باش اور نہال۔ سرو قد' نازک سراپا' رنگت ایسی اجلی کہ چاندنی کھلی ہو۔ لمبے ریشمی بال' سرمئی چمکتی آنکھیں۔ ابھی چودھواں سن لگا ہی تھا کہ بیری پہ وہ تڑاتڑ پتھر برسے کہ وہ تو سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

اتنی کم عمر' اوپر سے لاپروائی اور ہٹ دھرمی میں ثانی نہ رکھنے والی۔ وہ کیسے اتنی جلدی خود سے جدا کر دیتیں۔ مگر اپنی گرتی ہوئی صحت نے انہیں عثمان امیر کا رشتہ منظور کرنے پہ مجبور ہی کر دیا تھا اور مہپاره نے وہی مخصوص تکلیف دہ رویّہ اختیار کر لیا۔ مگر اب کی بار وہ اس کی کسی بلیک میلنگ کو خاطر میں نہ لائیں۔ جھٹ سے ہاں کہہ دی۔ اب اس کی عمر کا ہندسہ بھی تو اٹھارہ عبور کرنے والا تھا۔

"عثمان اچھا لڑکا ہے۔ پڑھا لکھا' کمانے والا' ہر سال تمہیں پاکستان مجھ سے ملوانے بھی لائے گا۔" بارش کے تیز شور میں اماں کی دھیمی آواز سنائی دی۔

"اگر اتنا ہی اچھا ہے تو اسی گھر میں رہ جائے... آپ کا بیٹا بن کر... میں بھی آپ سے جدا نہ ہو پاؤں گی۔" وہ فوراً" تپ گئی۔

"صاف بتا دیا' یتیم بچی ہے۔ نہ باپ نہ بھائی' کوئی لمبا جہیز نہیں ملے گا۔ کوئی اعتراض نہیں۔" وہ برتن اٹھا کر باہر برآمدے میں چلی آئی۔

کچھ دیر غائب دماغی کی حالت میں کھڑے رہنے کے بعد اس نے پانی زور سے صحن میں اچھال دیا۔ بجلی کی چمک میں سارا صحن لحہ بھر کو روشن ہوا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر برآمدے کے شیڈ کے آگے تنی موتیوں کی جھالر کو کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

پہلے اس کا سر بھیگا' پھر بالوں میں رستا ہوا پانی پوری چوٹی کو بھگوتا قطرہ قطرہ کر کے چوٹی کے سرے سے ٹپکنے لگا تھا۔ اس نے سردی سے کپکپاتے ہوئے سر پلو سے ٹکا دیا۔ پانی سے شرابور چہرے پہ اس کے آنسو بے آواز بہے چلے جا رہے تھے۔

وہ اب سرتاپا بارش کے پانی سے بھیگ چکی تھی۔ کیونکہ برآمدے میں جس جگہ وہ کھڑی تھی' وہاں عین اس کے اوپر برآمدے کی چھت ٹپک رہی تھی۔

"ابا! آپ ہمیں جلدی چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ آپ کے ہوتے ہوئے تو ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ

بارش میں چھت چار گھنٹے ٹپکتی رہے۔" وہ سیاہ گھپ اندھیرے میں کسی نادیدہ نقطے کو روتے ہوئے گھورے گئی۔

☆ ☆ ☆

ساری رات "اٹین شن" کھڑے ہونے اور بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اس کا جوڑ جوڑ درد سے دکھ رہا تھا۔ حرارت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اماں صبح سے کچن میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ ازلی کام چوری اور جسمانی تکلیف کو ایک طرف رکھے رات کے "استعمال شدہ" برتن دھونے میں لگ گئی۔ تیز چمکیلی دھوپ پورے گھر کو سنہری پن عطا کر رہی تھی۔

برتن دھو کر اس نے خشک ہونے کے لیے چارپائی پہ پھیلا دیے۔ وائپر اٹھا کر ٹیڑھے میڑھے فرش کی اینٹوں سے بارش کا پانی نکالا۔ گملے برآمدے سے نکال کر دیوار میں نصب لوہے کے اسٹینڈ میں رکھے۔

اماں اپنے لیے سادہ روٹی، دہی اور اس کے لیے گھی میں تر بتر خوشبو اڑاتا پراٹھا اور چائے کے دو مگ لے کر باہر آگئیں۔

وہ ہاتھ پونچھتی چارپائی پہ آکر ان کے ساتھ ناشتا کرنے لگی۔

چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کی نظر اماں کے چہرے پہ گئی۔ ان کی آنکھیں بھی بے خوابی اور تھکاوٹ کے باعث سرخ اور مضمحل نظر آرہی تھیں۔

اسی دم دروازے پہ کھٹکا ہوا اور بوا زینت شلوار اڑسے، برقع سمیٹے، کیچڑ زدہ چپلوں سے دھلے فرش پہ مٹی کے نشان چھوڑتی ان کے پاس آئیں۔

"ارے آؤ زینت! کافی دنوں بعد پھیرا ڈالا ہے۔" اماں نے خوش اخلاقی سے ایک طرف ہو کر ان کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"سلام بوا!" مہرماہ نے سلام کیا۔

"جیتی رہو۔ اللہ جوڑا اچھا بنائے۔" وہ دعا دیتے ہوئے برقع اتار کر بیٹھ گئیں۔ ان کا برقع بھی پیچھے سے کیچڑ سے داغ دار تھا۔

"جاؤ بیٹا! خالہ کے لیے چائے بنا دو۔" اماں اس سے مخاطب ہوئیں تو وہ سر ہلاتی اٹھ گئی۔ زینت کے توسط سے ان کی بیٹی کا اتنے اچھے گھر میں رشتہ طے پایا تھا۔ وہ ان کی از حد ممنون تھیں۔ وہ کئی دنوں سے زینت کی آمد کی منتظر تھیں۔

"اور سب خیر تو ہے نا زینت!" اماں نے پوچھا۔

"سرخ کوٹھی والوں کی کوئی خیر خبر؟"

"مٹی ڈالیں ان کوٹھی والوں پر۔" بوا زینت بے زاری سے بولیں۔

"کیوں بھئی، خیر تو ہے ناں؟" اماں کو اچنبھا ہوا۔

"مجھ سے کیا پوچھتی ہیں۔ میں نے تو اس طرف جانا ہی چھوڑ دیا۔ بڑے کمینے لوگ نکلے.... سفید دھن پر کالے من والے۔"

اماں ہونق سی زینت کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ بات ان کے پلے نہ پڑی تھی۔

"مہو بیٹی کے لیے انکار کر دیا انہوں نے۔" نظر چراتے ہوئے بوا زینت ہولے سے بولیں۔

"انکار کر دیا؟ مگر کیوں؟" اماں تو ہکا بکا انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

"کتنے چاؤ سے رشتہ لائیں۔ بہت مان سے مہو کو اپنایا۔ نہ کوئی اعتراض، نہ کوئی آنا کانی.... اب ایسے خواہ مخواہ کا انکار....." مارے صدمے کے اماں سے بولا نہ جا رہا تھا۔

"وہی تو.... اب بھی اعتراض تو نہیں جڑا.... مہو بیٹی پہ تو ماں بیٹیاں دل و جان سے فدا ہیں۔ بے چاریاں ہاتھ جوڑ کے مجھ سے معافی مانگنے لگیں، پر کیا کریں، مجبور ہیں۔ بیٹا جو نہیں مان رہا۔ کہتا ہے ایسی کردار کی ڈھیلی لڑکی کو اپنی بیوی ہرگز نہیں بناؤں گا، جس کے عاشق اسے دن میں ہزار بار فون پہ دھمکاتے ہوں۔ جان لینے کے درپے ہوں۔"

"کم بخت مارا، یہ الفاظ میری نیک بیٹی کے لیے زبان سے نکالے۔ تو نے گدی سے کھینچ لی ہوتی زینت!" اماں تو جوش غضب سے پھٹ پڑیں۔ کچن میں ان دونوں کی گفتگو غور سے سنتی مہرماہ کا دل خوشی

سے بھنگڑے ڈالنے کو چاہا۔ چائے گرم کر کے فوراً پراٹھے کا پیڑا بنا لیا۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے یوں ہی منہ سے لوٹ آئی۔ خوب سنائیں لڑکے کو، غضب خدا کا.... ہماری بچی پہ انگلی اٹھاتے ہوئے شرم نہ آئی اسے۔" بوا زینت نے بھی اپنے دلی جذبات کی عکاسی کی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اب کے ایسا رشتہ مہو بیٹا کے لیے لاؤں گی کہ سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ ذرا موسم ٹھیک ہو جائے، پھر نکلتی ہوں کام پہ۔ کوئی شہزادہ ہو گا جو ہماری رانی بٹیا کو بیاہ لے جائے گا۔" ناشتے سے مکمل انصاف کرتے ہوئے بوا زینت نے اماں کو امید کی ڈور پکڑائی اور رخصت ہوئیں۔

"ارے اماں! بوا ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔ آپ اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہیں؟"

باقر کی غائبانہ بلائیں لیتی اماں کی دلجوئی کو آگے بڑھی۔ چہرے پہ مچلتی مسکراہٹ پہ زبردستی سنجیدگی چڑھاتے ہوئے وہ ان کے پاس آبیٹھی۔

"چلو کہہ دیتے لڑکی منہ پھٹ، زبان دراز ہے۔ بڑوں کا ادب کرنا نہیں جانتی۔ سلیقہ شعور چھو کر نہیں گزرا۔ صرف اچھی صورت ہے۔ چائے تک سیدھی نہیں بنا سکتی۔ مگر ایسا الزام....." اماں کو رہ رہ کر عثمان پہ غصہ آرہا تھا۔

"اماں!" اس نے سخت برا مانا۔

"یہ آپ انہیں برا بھلا کہہ رہی ہیں یا میری خامیاں گنوا رہی ہیں؟"

"حق ہا! کیسے سوچا تھا کہ بیٹی کوٹھی میں راج کرے گی۔ مگر ہوا کیا؟" وہ وہیں چارپائی پہ لیٹ گئیں۔ اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے چلے جانے کا ملال کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"صرف سات سو روپے؟" اخبار والے نے حیرت سے اپنے ہاتھوں میں پیسے دیکھے جو اماں نے ابھی اسے تھمائے تھے۔

"بہن جی! آپ کا ایک ہزار روپے بل بنتا ہے۔ پچھلے چار ماہ سے آپ نے اخبار کا بل ادا نہیں کیا۔"

"اچھا! میں لاتی ہوں۔" اماں نے خاموشی سے بقیہ پیسے لا کر اسے تھمائے۔

"اور بھیا! آئندہ سے ہمارے گھر اخبار نہ ڈالیے گا۔" کہنے کے ساتھ ہی انہوں نے گیٹ بند کر دیا۔

"دانتوں سے پکڑنے کے باوجود پیسہ آرام سے نکلتا جا رہا ہے۔ اب ایک ہزار اخبار والے کو دینے ہیں۔" ڈیوڑھی سے صحن تک پہنچتے ہی اماں یوں ہانپنے لگیں جیسے طویل مسافت طے کی ہو۔

"تو کیا اخبار ہمارے گھر نہیں آئے گا اب؟" اس نے مایوسی سے پوچھا۔

"ہاں! میں نے منع کر دیا۔ کہاں سے بل بھریں گے۔ تمہارے ابا کی زندگی میں جوڑی جمع پونجی سوچا تھا تمہارے جہیز اور تعلیم میں کام آئے گی۔ مگر یہ روز کے خرچے ہی پورے نہیں ہو رہے ہیں۔"

اس نے اماں کی بات کا جواب نہ دیا۔ اخبار بینی کا شوق اسے ابا سے وراثت میں ملا تھا۔ وہ جب زندہ تھے تو اس وقت سے روزانہ ان کے گھر میں اخبار آتا۔

"اماں! ایسے بیٹھے رہنے سے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جب آمدن کا دروازہ بند ہو۔" وہ اماں کے سرمئی بالوں میں انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ اوپر ایک پورشن بنوا کر کرائے پر چڑھا دیں۔ ایک لگا بندھا کرایہ ملے گا تو گھر کا خرچ باآسانی نکل آئے گا۔ ورنہ تو یہ چند ہزار جو بچے ہیں۔ وہ بھی کھانے پینے میں نکل جائیں گے۔" وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھیں۔ مہرماہ کی بات ان کے دل کو لگی تھی۔ مگر ان کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئے جو اوپر کام شروع کروا سکیں چھت کی مرمت کی تو گنجائش نکل نہیں رہی۔"

"اماں! جو بھی جمع جتھا ہے، اسی سے اوپر کمرے بنوا لیں۔ بعد میں جب کرایہ آئے گا تو دوبارہ جمع ہو جائیں گے پیسے۔" مہرماہ کی بات اماں کو معقول لگی۔ اللہ کا نام لے کر کام شروع کرا دیا۔ قابل اعتماد پڑوسی

بھائی صدیق سے کام کی نگرانی کی درخواست کی' وہ مقدور بھر ہاتھ بٹانے کو تیار ہو گئے۔ یوں چند مزدوروں نے ان کے حسب منشا اوپر والی منزل تیار کر دی۔ ایک کمرہ ملحقہ باتھ روم' کچن اور آگے برآمدہ۔ کرایہ دار ڈھونڈنے کا کام بھی انہوں نے صدیق بھائی کے ذمے لگایا' مگر اس شرط کے ساتھ کہ پوری فیملی قابل قبول ہو گی۔ صرف چھڑے چھانٹ بندے کو منظور نہ کیا جائے گا۔

☼ ☼ ☼

اس نے پلگ کئی بار نکال کر جوڑا' مگر ٹی وی کی اسکرین تاریک ہی رہی۔ وہ جھنجلا کر باہر نکل آئی۔

"اماں! ساتھ والی خالہ زرینہ سے پوچھیں' ان کا کیبل آرہا ہے یا نہیں' ہمارا تو تین دن سے بند ہے۔" اس نے برآمدے میں کھڑے ہو کر اماں کو پکارا۔

"ہمارا کیبل کٹ گیا ہے۔ چار مہینوں سے بل جو جمع نہیں کروایا۔" دال چنتے ہوئے اماں نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"تو بل کیوں نہیں جمع کروایا آپ نے؟ میری ساری فیورٹ رائٹرز کے ڈرامے چل رہے ہیں۔ فائزہ افتخار' عمیرہ احمد۔" وہ روہانسی ہو گئی بولی۔

"کہاں سے جمع کرواؤں۔ تین دن سے گھر میں دال پک رہی ہے۔ سارا پیسہ اوپر لگ گیا۔ اوپر سے لاکھوں کا قرض بھی چڑھ گیا۔" اماں غصے سے بولیں۔ وہ یوں بھی آج کل خاصی چڑی ہوئی تھیں۔ چار ماہ ہو گئے تھے' مگر کسی کرایہ دار نے تاحال شکل نہ دکھائی دی تھی۔ وہ موہوم امید لیے صدیق بھائی سے دریافت کرتیں تو ہر بار ان کا یہی جواب ہوتا۔

"فاطمہ بہن! میں نے کئی ایک لوگوں سے کہا ہوا ہے' مگر ڈھنگ کی کوئی فیملی مل ہی نہیں رہی۔"

وہ یہ سن کر چپ ہو جاتیں۔ کنسٹرکشن کے دوران انہیں صدیق بھائی سے قرض بھی لینا پڑا تھا۔ اس کی ادائیگی کے خیال نے راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھی۔

اماں! مجھے ایک جاب مل رہی ہے۔ اچھی جاب ہے۔ بہترین تنخواہ۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"کوئی ضرورت نہیں گھر سے باہر نکلنے کی۔ زمانہ بڑا خراب ہے۔ اکیلی لڑکی کو دیکھ کر بھیڑیے جگہ جگہ گھات لگا بیٹھتے ہیں۔" اماں کا لہجہ اندیشوں سے پر تھا۔

"اماں! آپ کو اپنی بیٹی' اپنی تربیت اور ابا کے خون پر بھروسا ہونا چاہیے۔ میں یوں ترس ترس کر زندگی نہیں گزار سکتی۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر لجاجت سے بولی۔

"مہر ماہ! ناشکری بہت بڑا گناہ ہے۔ ہم سینکڑوں سے اچھا کھا رہے ہیں۔" اماں ٹھہرے ہوئے انداز میں سمجھانے لگیں۔

"کھانا پینا صرف جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ مگر اور بھی تو بہت کچھ ضروری ہوتا ہے زندگی کے لیے۔" وہ بحث کرنے کے سے انداز میں بولی۔

"زندگی کو صرف ضروریات تک محدود رکھو۔ خواہشات کا پیالہ تو بادشاہ کا بھی خالی رہ گیا تھا۔"

"حق ماہ! خواہشات ...... یہاں تو ضروریات پوری کرنے کے لالے پڑے ہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"مہر ماہ! قناعت بہت بڑی دولت ہوتی ہے۔" صاف شدہ دال اماں نے ڈبے میں ڈالنا شروع کر دی۔

"جی ضرور' لیکن زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ ساکن ہونے کو موت کہتے ہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

اماں نے ایک نظر اٹھا کر اسے غور سے دیکھا اور پھر سر ہلا کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آفس کا ماحول بے حد اچھا تھا۔ اس کی ساتھی ورکرز بے حد خوش اخلاق اور ملنسار تھیں۔ وہ بھی ان کے

ساتھ گھر گھر کمپنی کی پروڈکٹس متعارف اور بیچنے کا کام کرنے لگی۔

جاب کے تقاضوں میں خوش اخلاقی کے ساتھ ساتھ خوش لباسی اور جدید فیشن کے رجحانات کا اظہار اپنی شخصیت سے کرنا لازمی تھا۔ ساری لڑکیاں ایک سے ایک بے حد ماڈرن اور فیشن ایبل تھیں مگر ایک وہی تھی جو اپنا گھریلو حلیہ اپنائے ہوئے تھی۔ لمبے بالوں کی سیدھی چوٹی۔ ڈھیلے ڈھالے شلوار قمیص بڑا سا دوپٹا جسے وہ سر پہ اوڑھنے کے بعد اچھی طرح ارد گرد لپیٹے رکھتی تھی۔

باس کی پی اے مس رائمہ نے کئی مرتبہ اس کی توجہ اس طرف دلائی تھی کہ وہ اپنی شخصیت میں کچھ تبدیلی لائے۔ اپنی ذات پہ اعتماد ہی سے وہ زیادہ سے زیادہ کسٹمرز کو متوجہ کر سکے گی۔ "یس میم" کی گردان کرنے کے باوجود اس کا میڈم رائمہ کی باتوں پہ عمل کرنے کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا۔ یہ نسوانیت کی تذلیل کرتا بے حجاب لباس یہ کمرشل انداز گفتگو۔

اماں تو اس کے گھر گھر پھر کر چیزیں بیچنے کا سن کر ہی خفا ہو گئی تھیں۔

"ایسے پیسے کو آگ لگے جو یوں لور لور پھر کر کمایا جائے۔ دیکھنا! ایک دن تم اپنی ضد کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھاؤ گی۔" وہ کئی دن اس پہ اپنا غصہ انڈیلتی رہیں۔ مگر کچھ دنوں سے وہ اسے بہت خوش اور مطمئن دکھائی دیں۔ وجہ اسے جلد ہی معلوم ہو گئی۔

صدیق چاچا کے توسط سے ایک کرایہ دار اوپر والے پورشن میں جو آچکا تھا۔

"صرف ایک اور وہ بھی مرد۔ سوچا تھا کوئی لڑکی ہو گی جس سے فارغ وقت میں گپ شپ لگاؤں گی۔" مہرماہ کو سخت مایوسی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"اچھا اماں! میں چلتی ہوں۔" دروازے پہ اپنے مخصوص جنگ جی رکشے کا ہارن سن کر اس نے چائے کا ایک بڑا سا گھونٹ بھرا۔ چادر اوڑھ کر اماں کو "اللہ حافظ" کہتی باہر نکل آئی۔ رکشہ تنگ گلی سے نکل کر جوں ہی مین روڈ پہ آیا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ اس کے پیچھے آرہا تھا۔ بلیک موٹر سائیکل پہ وجیہہ چہرے پہ سیاہ چشمہ لگائے گھنے سیاہ بال تیز ہوا کی بدولت الجھ کر پیچھے کے رخ سیٹ ہو گئے تھے۔

یہ بندہ اس کے پیچھے پچھلے دو ہفتوں سے لگا ہوا تھا۔ وہ جیسے ہی آفس جانے کے لیے رکشے پہ سوار ہوتی اس کا تعاقب شروع ہو جاتا۔ پھر آفس آتے ہی وہ کہیں غائب ہو جاتا تھا۔

"یا اللہ! یہ مصیبت کہاں سے گلے آپڑی ہے۔ کیسے پیچھا چھڑاؤں۔ نجانے کس مقصد کے لیے میرے پیچھے لگا ہے۔ اماں کو بھی نہیں بتا سکتی۔ پریشان ہو جائیں گی۔ الٹا مجھے گھر بٹھا لیں گی۔ اگر اسی طرح پیچھا کرنا جاری رکھا تو سر سے کہہ دوں گی۔ سیکیورٹی ان کے ذمے ہے۔"

فکر مندی سے سوچتے ہوئے وہ ایک نتیجے پہ پہنچ کر مطمئن ہو گئی۔ اس کا آفس آچکا تھا۔ وہ ہینڈسم سا موٹر سائیکل سوار بھی کہیں غائب ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی تنخواہ کے دس ہزار اور کرائے کے سات ہزار ملتے۔ اماں بے حد مطمئن سی صدیق بھائی کو ان کے قرض کی پہلی قسط ادا کر آئیں۔

اوائل نومبر کی شام خنکی لیے ہوئے تھی۔ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر کچن میں آگئی۔ سوجی کا حلوہ اچھی طرح بھوننے کے بعد اماں نے پستہ بادام کی ہوائیاں اوپر چھڑک کے ڈھکن بند کر دیا۔ وہ چولہے کے پاس ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھ گئی۔ ہلکی ہلکی حرارت سکون دینے لگی تھی۔

"بڑا شریف بچہ ہے۔ بہت محنتی اور ایمان دار۔" نیلی آگ کے شعلوں کو دیکھتے ہوئے غیر دلچسپی سے اس نے اماں کی بات سنی۔ وہ اکثر اس کے سامنے کرائے دار کے قصیدے پڑھتی رہتی تھیں۔

"میں نے کہا تھا کہ رات کا کھانا میں اوپر پہنچا دوں گی مگر انکار کر دیا۔ رات کا ہوٹل سے اور ناشتا خود تیار کرتا ہے۔ دوپہر شاید دفتر میں بسر ہوتی ہو گی۔"

"آپ خواہ مخواہ ہلکان نہ ہوں۔ اسے واقعی کسی کا احسان لینا اچھا نہ لگتا ہو گا۔" گرم گرم حلوہ حلق سے اتارتے ہوئے اس نے کہا۔

"حلوہ زیادہ بن گیا ہے۔ دل چاہ رہا ہے اوپر دے آؤں۔ مگر شاید نہ کھائے کیونکہ اس دن کھیر کی پلیٹ دی تھی جب صبح برتن اٹھانے گئی تو کھیر یوں ہی پڑی تھی۔" اماں متذبذب تھیں۔

اگر اتنا ہی نخریلا ہے تو جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے غصہ آگیا۔

"اونہہ! اکڑو اور مغرور لوگوں کو تو منہ بھی نہیں لگانا چاہیے۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"ارے! توبہ کرو۔ مغرور کہاں۔ اتنا شریف اور بھلا مانس بچہ ہے۔ انکساری تو ختم ہے۔ بس مجھے تکلیف نہ دینے کے خیال سے منع کرتا ہو گا۔" اماں تو اس کے خلاف کچھ سننے پر تیار نہ تھیں۔ فوراً حلوے سے پلیٹ بھری اور باہر نکل گئیں۔ مہرماہ بس ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اماں محلے میں کسی کی عیادت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ آج سنڈے تھا۔ بیرونی دروازے کی کنڈی لگا کر وہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گھس گئی۔ کاسنی کاٹن کا ڈھیلا ڈھالا پاجامہ قمیص پہنے سر پہ تولیہ لپیٹے وہ سردی سے کپکپاتی دھوپ میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ نرم گرم دھوپ اعصاب کو سکون دینے لگی۔ تولیہ سر سے اتار کر چارپائی پہ ڈالا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آرام دہ انداز میں آنکھیں موند لیں۔

"ایکسکیوز می! خالہ فاطمہ کہاں ہیں۔" ایک بلند مردانہ گمبھیر آواز عین اپنے سر کے اوپر سن کر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ نظر جوں ہی سامنے کھڑی ہستی پہ پڑی تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ مارے دہشت کے گلابی رنگت سفید پڑ گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ سامنے کھڑے وجود کو تکنے لگی۔ یہ اس کا واہمہ ہے یا حقیقت؟ وہی نقشہ وہی لمبا قد گندمی رنگت کھڑی ناک چوڑی پیشانی گھنی مونچھوں تلے بھرے بھرے لب۔ ہاں! بس معمول کی پینٹ شرٹ کے بجائے سادہ کھدر کے سرمئی شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ پیروں میں لیدر کے چپل تھے۔

"محترمہ! میں نے خالہ فاطمہ کے بارے میں پوچھا ہے۔" اب کے وہ ذرا جھنجلا کر بولا۔ سامنے کھڑی بے حد خوب صورت اور کامنی سی لڑکی جس کے لمبے ریشمی نم بالوں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ کرسٹل گرے آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں جن میں خوف و ہراس واضح نظر آرہا تھا۔ وہ اسے اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

"آپ! آپ یہاں کیسے نکلیے یہاں سے۔" ہنم گلابی چہرہ جس پہ کچھ دیر پہلے حیرت و دہشت چھائی تھی۔ اب وہاں صرف غصہ ہی غصہ تھا۔

"آپ کی جرات کیسے ہوئی دن دیہاڑے کسی کے گھر میں گھسنے کی؟ میں ابھی پولیس کو کال کرتی ہوں۔ یعنی روزانہ پیچھا کرتے کرتے اتنی ہمت بھی کر لی کہ گھر میں گھس آئے؟"

"اسٹاپ اٹ محترمہ! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" سبکتگین حیدر کو واضح محسوس ہوا کہ مقابل کھڑی دوشیزہ کسی زبردست قسم کی غلط فہمی کا شکار ہے۔ تب ہی تو اس کے بارے میں فضول گوئی کر رہی ہے۔

اس کا لہجہ اتنا دبنگ اور چہرے کے نقوش پہ ابھرتی برہمی اتنی واضح تھی کہ مہرماہ کا دل کانپ اٹھا۔ جو پورے دو مہینے لگا تار اس کا پیچھا کر سکتا ہے دیوار پھاند کر گھر میں آسکتا ہے تو یقیناً وہ آگے اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اس خیال کے ساتھ ہی سردی میں اس کے جسم سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ ڈرتے ڈرتے دو قدم پیچھے ہٹی۔ معاً" اسے احساس ہوا کہ وہ اتنے خطرناک بندے کے سامنے ننگے سر کھڑی ہے۔ فوراً" شانوں پہ پڑا دوپٹا سر پہ ڈالا۔ وہ گھر میں تن تنہا ہے' اماں نجانے کب لوٹیں۔

عدم تحفظ کے شدید احساس نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی تھی۔ اب جو کرنا تھا' خود ہی کو کرنا تھا۔

"دیکھو! اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اکیلا جان کر تم میرے ساتھ کچھ ایسا ویسا کرلوگے تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ انگلی اٹھا کے خبردار کرنے والے انداز میں بولی۔ انگلی میں لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"شٹ اپ۔" وہ دھاڑا۔ اب اس سے مزید کچھ سننا سبکتگین کی برداشت سے باہر تھا۔ اسے لگا اس کا سامنا کسی پاگل لڑکی سے پڑا ہے۔ ہاتھ میں پکڑی دواؤں کی تھیلی چارپائی پہ رکھ دی۔

"خالہ فاطمہ نے کچھ میڈیسنز منگوائی تھیں ۔ انہیں دے دیجئے گا۔"

اپنے مخصوص بارعب لہجے میں کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا فوراً سیڑھیاں چڑھ گیا۔

اس کے تعاقب میں جاتی مہماہ کی نظریں چھت کی ریلنگ پہ ٹک گئیں۔ اس کا منہ اور آنکھیں پھٹ سی گئیں۔

"یہ اماں نے کس عذاب کو گھر میں گھسا لیا... اور اسے دیکھو ڈھیٹ' بدتمیز... مکان مالکن کا تعاقب کرتے ذرا بھی شرم نہ آئی اور ہماری اماں پہ تو بھولپن ختم ہے۔ شریف' نیک بچہ' ہونہہ! آئیں تو سہی۔ اس سڑک چھاپ کا بوریا بستر نہ بند ہوایا تو میرا نام مہرماہ عنادل نہیں۔" غصے سے کھولتے ہوئے وہ صحن میں چکراتے ہوئے بے تابی سے اماں کا انتظار کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

دانت پہ دانت جمائے' رکشے کے ڈنڈے کو ایک ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑے' وہ اس ڈھیٹ ابن ڈھیٹ کو دیکھتی رہی' جو بے شرمی اور ڈھٹائی کے سارے ریکارڈ توڑے آج بھی اپنی بائیک پہ اس کے پیچھے چلا آرہا تھا۔ اس کا دل چاہا فوراً" رکشے سے اتر کر وہ کھری کھری سنائے کہ موصوف کے ہوش ٹھکانے لگ جائیں۔ اماں سے رات بات کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ اول تو مشکل سے اس کی بات کا اعتبار کرتیں۔ کیونکہ اس کی بھولی بھالی ماں اس سے ازحد متاثر ہوچکی تھیں۔ ان کے ساتھ مسئلہ تھا۔ جو ایک بار ان کے دل پر چڑھ جاتا' مشکل ہی سے اترتا تھا۔ ایسے میں اسے خود ہی کچھ کرنا تھا۔

"بھیا! ذرا میری بات سنیے۔" اس نے کچھ سوچ کر ڈرائیور کو پکارا۔

"جی باجی! کیا حکم ہے۔" ڈرائیور نے ذرا گردن موڑ کر پوچھا۔

"اس نیلی شرٹ والے آدمی کا پیچھا کرو۔ جہاں یہ رکے' وہاں رکشہ روک دینا ہے۔" مہرماہ کی بات سن ڈرائیور ذرا سا حیران ہوا۔

"کافی شریف لڑکی ہے۔ دو ماہ سے پک اینڈ ڈراپ کررہا ہوں۔ ایک مرد کا تعاقب... ؟ خیر! مجھے کیا۔" ڈرائیور نے کندھے اچکاتے ہوئے رفتار ذرا سست کردی۔ بائیک اپنی مخصوص متوازن رفتار سے آگے نکل گئی۔

پندرہ منٹ بعد رکشا اس کے آفس کے سامنے آکر رک گیا۔ وہ کچھ حیران ہوتی نیچے اتر آئی۔

"باجی جی! وہ آدمی آپ والے ہی دفتر جارہا ہے۔" ڈرائیور کی نشان دہی پہ اس نے دیکھا کہ وہ واقعی اپنی بائیک سے چابی نکالتا بلڈنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گلاسز اس نے گلے کے نیچے والے بٹن میں اٹکا لیے۔ وہ کچھ الجھتی سی گارڈ کے پاس چلی آئی۔

"ابھی جو صاحب اندر گئے ہیں' نیلی شرٹ والے آپ انہیں جانتے ہیں؟"

"جی بالکل! سبکتگین صاحب ہیں۔ اسی کمپنی میں فوڈ کوالٹی انسپکٹر ہیں۔ پچھلے ایک سال سے کام کررہے ہیں۔" گارڈ نے مؤدب ہو کر بتایا۔

"او میرے خدایا! میں کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار تھی۔" وہ اپنے ماتھے پہ ہاتھ مار کر رہ گئی۔

"وہ بے چارہ اپنے کام پہ جاتا تھا اور میں سمجھی میرا پیچھا کررہا ہے۔" وہ اپنے کیبن میں بیٹھی کتنی دیر تک اپنی عقل پر ماتم کرتی رہی۔

"ہیلو گرلز! گڈ مارننگ۔" اسی لمحے میڈم رائمہ گزریں ہنستی مسکراتی خوشبوئیں بکھیرتیں وہ آج بھی اپنے معمول کے حلیے میں تھیں۔ سلیولیس تنگ شرٹ' جس کا گلا آگے پیچھے سے بے حد گہرا تھا۔ تنگ ٹراؤزر' دوپٹا ندارد' بے حد تیز میک اپ اور مناسب جیولری کے ساتھ وہ آفس میں کیا عورتیں کیا مرد ہر ایک کی نظروں کا مرکز ہوتیں۔

مہرماہ حیران تھی کہ شادی شدہ' دو بچوں کی ماں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کس کمال سے خود کو مینٹین کرر کھا تھا۔ کھانے کے وقفے کے دوران وہ انیلا کے کیبن کی طرف آگئی۔ وہ کمپنی کے ہفت روزہ رسالے کی تازہ اشاعت کی ورق گردانی کررہی تھی۔ وہ بھی اشتیاق سے جھک کر دیکھنے لگی۔ ٹائٹل پہ نظر پڑتے ہی وہ سُن رہ گئی۔

"یہ... یہ تو؟" وہ بے یقینی سے انیلا کو دیکھنے لگی۔

"ہاں! یہ میڈم رائمہ ہی ہیں۔ باس کی پی اے۔ کمپنی کے رسالے کی ایڈیٹر ہونے کے ساتھ ساتھ ماڈلنگ بھی کرتی ہیں۔" انیلا سادگی سے بتانے لگی۔

میڈم رائمہ نیم عریاں لباس میں کمپنی کی کسی پروڈکٹ کی ماڈلنگ کرتی نظر آئیں۔ تصویر اتنی مخرب اخلاق تھی کہ اس نے دوسری نظر ڈالنے سے گریز ہی کیا۔

"اخلاق کی بہت اچھی ہیں۔ ہر ایک سے ہنس کر ملتی ہیں۔" وہ ٹیبل کے کنارے پر ٹکتے ہوئے بولی۔

"ہاں! ہنسنا بولنا تو سب کے ساتھ ہے۔ خصوصاً" میل ورکرز کے ساتھ تو زیادہ ہی ہنستی بولتی ہیں۔ آج کل تو سبکتگین حیدر پہ خاصی مہربان دکھائی دے رہی ہیں۔" انیلا کسی قدر ناگواری سے بولی۔

"کون سبکتگین حیدر؟" اس نے چونک کر دیکھا۔

"یہی اپنے فوڈ انسپکٹر۔ بہت اسٹرونگ کیریکٹر کے مالک ہیں۔ کسی فی میل کو تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ میڈم رائمہ کو کتنی بار سارے اسٹاف کے سامنے جھڑک چکے ہیں۔ مگر سلام ان کی مستقل مزاجی کو۔ ذرا جو ان کی ڈانٹ ڈپٹ کو مائنڈ کرتے ہوئے سابقہ روش ترک کی ہو۔" انیلا مسکراتے ہوئے بولی۔

"مس! آپ دونوں کو میڈم رائمہ کانفرنس ہال میں بلا رہی ہیں۔"

اسی دم پیون نے انہیں آکر پیغام سنایا۔ کانفرنس روم میں ساری فی میل ورکرز نہیں تھیں۔ صرف چند لڑکیاں تھیں۔

"گرلز! کل سے آپ بی بلاک ایریا وزٹ کریں گی۔ صرف آپ کو نامی نیٹ کیا گیا ہے۔ فریش اور ینگ گرلز ہی زیادہ سے زیادہ کنزیومرز کو موٹی ویٹ کرسکتی ہیں۔ آئی ہوپ آپ سب اس وزٹ کی ڈیمانڈ پہ پورا اتریں گی۔" رائمہ نے مسکراتے ہوئے میٹنگ برخاست کی۔

☼ ☼ ☼

"اماں! آج باہر واک پہ چلیں۔" رات کے کھانے کے بعد اس نے اماں سے فرمائش کی۔

"نہیں بیٹا! میں اتنا چل نہیں سکتی۔ اوپر سے ٹریفک کا رش۔ میری طبیعت گھبرا جاتی ہے۔" انہوں نے عذر پیش کیا۔

"ارے اماں! ہم زیادہ دور تھوڑی جائیں گے۔ بس سڑک تک ہو کر پندرہ منٹ میں لوٹ آتے ہیں۔" وہ زبردستی انہیں اپنے ساتھ گھسیٹ لائی۔ کالونی کا ایک

چکر لگا کر وہ واپس ہو لیں۔ اماں اس سے چند قدم آگے چل رہی تھیں۔ اپنے گھر کے سامنے والے احاطے میں اسے سبکتگین کی موٹر سائیکل کھڑی نظر آئی۔ اس بائیک اور اس کے سوار نے اسے دو ماہ ذہنی کوفت میں مبتلا کیے رکھا تھا۔ جانے کیا سوچ کر اس نے ایک ٹانگ کا پورا زور لگا کر بائیک گرا دی۔

"کتنا مزا آئے گا' جب وہ صبح اپنی بائیک کو گرا دیکھے گا۔ اگر کوئی پرزہ ورزہ ٹوٹ جائے تو اور بھی اچھی بات ہو گی۔" وہ سوچ کر ہی لطف اندوز ہوئی۔ مگر جوں ہی بائیک دوسری طرف گری' ایک بلند مردانہ درد بھری آواز اندھیرے میں ابھری۔

"یہ کیا کیا اسٹوپڈ نظر نہیں آ رہا تھا کہ میں ادھر بیٹھا ہوں؟" مہر ماہ کے تو ہوش اڑ گئے۔ فوراً" اسپیڈ پکڑ کر اماں سے جا ملی۔ وہ گیٹ کا لاک کھول رہی تھیں۔ اپنے پیچھے مردانہ آواز سن کر چونک کر پیچھے پلٹیں۔

"مہر ماہ! ابھی یہاں ایک آدمی کی آواز آئی ہے۔" انہوں نے اندھیرے میں کسی ذی روح کو تلاشنا چاہا۔

"ارے! یہ کس کی موٹر سائیکل گری پڑی ہے۔ مجھے تو بچے کی لگتی ہے۔" وہ فکر مندی سے بولتی آگے بڑھیں۔

"ارے اماں! جس کی بھی ہو۔ ہمیں کیا' چلیں! گھر چلتے ہیں۔" اس نے گھبرا کر انہیں روکنا چاہا۔

"ارے بیٹا! یہ آپ ہو۔ موٹر سائیکل کس نے گرائی ہے؟" اماں نے حیرت سے پوچھا۔ ساتھ ہی بائیک کے نیچے دبی ٹانگ نکالنے میں اس کی مدد کرنے لگیں۔

"بس خالہ جان! نیچے بیٹھا فیول ٹنکی کی مرمت کر رہا تھا۔ کسی نے پرانی دشمنی نکال کر۔۔۔" وہ کراہ کر بولا۔ تھوڑی سی تگ و دو سے ٹانگ نکل تو آئی' مگر چوٹ اتنی زیادہ لگی تھی کہ درد کے مارے ٹانگ سن ہوئی جا رہی تھی۔ جسم سے پسینہ چھوٹ گیا۔

"آؤ ہم تمہیں اوپر چھوڑ آئیں۔" اماں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ لنگڑاتے ہوئے چل رہا تھا۔ مہر ماہ کو اس کی حالت پہ افسوس ہوا۔ وہ تو محض اس کی بائیک گرا کے اسے تپانا چاہتی تھی۔ یہ نہیں سوچا تھا کہ ہلکی سی شرارت کا اتنا سنگین نتیجہ نکلے گا۔

زینہ کافی تنگ تھا۔ اماں آگے چل رہی تھیں۔ اس نے کچھ سوچ کر معذرت کے لیے اسے مخاطب کیا۔

"سنیے!" خشک ہوتے حلق کو تر کرنے کے لیے تھوک نگلا۔ سبکتگین نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ دو سیڑھیاں پیچھے کھڑی تھی۔

"سمجھ لوں گا میں آپ کو۔" کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتا وہ زینہ طے کرنے لگا۔

"بھاڑ میں جاؤ۔ میری بلا سے۔" اس کی پشت پہ ایک کھولتی نظر ڈال کر وہ گھر چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

یہ پوش ایریا تھا۔ خوب صورت' جدید طرز تعمیر کے شاہکار نمونے' بلند و بالا دو' سہ منزلہ کوٹھیاں۔ مہر ماہ سر اٹھا کر حیرانی سے انہیں دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"رائمہ میم نے مجھے کس جگہ بھیج دیا ہے۔ اتنے بڑے محلوں میں رہنے والی بیگمات بھلا کہاں روز مرہ استعمال کی اشیا اس طرح خریدتی ہوں گی۔ ان کی ملازمائیں جو یہ کام کر لیتی ہیں۔ خیر! مجھے کیا۔" کندھے اچکاتے ہوئے اس نے پھولوں سے ڈھکے گھر کی بیل بجا دی۔

چوکیدار نے دروازہ کھولا۔ ملازمہ کی معیت میں بیش قیمت سامان آرائش و تعیشات سے سجے وسیع ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"پلیز! بیگم صاحبہ کو بھیج دیں۔" نرم و گداز صوفے پہ ٹکتے ہوئے وہ ملازمہ سے بولی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر باہر نکل گئی۔

بیگم صاحبہ تو کیا گھر کا کوئی فرد تا حال ظاہر نہ ہوا تھا۔ وہ وقت گزاری کے لیے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگی۔ دیواروں پہ قیمتی و نایاب پینٹنگز کے شہ پارے لگے ہوئے تھے۔

ڈرائنگ روم کی سیڑھیاں اترتے برہان لاشاری کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ نظریں سامنے بیٹھے وجود پہ جم گئیں۔ معصوم چہرہ' جس پہ نوعمری کا رنگ غالب تھا۔ سفید بے داغ اجلی رنگت' گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند نازک ہونٹ' قدرت کی صناعی کا شاہکار اس سے چند قدم پہ موجود تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھا۔ وہ ایک اجنبی مرد کو سامنے پا کے بری طرح گھبرا اٹھی۔

"السلام علیکم! وہ بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟" وہ گڑبڑاتے ہوئے بولی۔ سامنے کھڑے بندے کی نظریں اسے اپنے بدن میں تیروں کی طرح جا بجا کھبتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"آ رہی ہیں۔ آپ بیٹھیے نا۔" حریص نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ سامنے کھڑی گلابی ذات اس کے لیے ایک امتحان بنی کھڑی تھی۔ مزید برداشت کا یارا نہ رہا تھا۔

"ہم۔۔۔ میں چلتی ہوں۔" اس سوٹڈ بوٹڈ مرد کے ارادے اسے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ اس کا تیزی سے دھڑکتا دل کسی انہونی کا سگنل دے رہا تھا۔

"ارے جی! چلی جائیے گا۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ہمیں خدمت کا موقع تو دیجیے۔ اس دولت کدے کی سیر بھی آپ کو کراتے ہیں۔" برہان لاشاری فدویانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"کم آن بے بی۔" مخمور نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اسے تھامنے کے لیے آگے قدم بڑھایا۔ نظریں ماہ مہر پر ٹکی ہونے کی وجہ سے وہ سامنے رکھے گلاس ٹیبل نہ دیکھ سکا۔ اس سے ٹکرا کر وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا اور مہر ماہ نے یہ ذرا سی مہلت ملنے پر سرپٹ دوڑ لگانے میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہ لگائی۔ اگلے دن آفس میں اس نے میم رائمہ کو صاف جواب دے دیا کہ وہ دوبارہ اس سائیڈ پہ کبھی نہیں جائے گی۔ اسے صرف متوسط طبقے کی آبادی تک ہی محدود رکھا جائے۔

"او کے میری جان! جیسے تم چاہو۔" رائمہ نے پیار سے اس کا گال چھوا۔ پھر جھک کر رازداری سے پوچھنے لگی۔

"ویسے تمہیں علم ہے' یہ سبکتگین حیدر بھی کسی مڈل کلاس ایریے میں رہتا ہے۔ شہر کے کس سائیڈ پہ ہے؟ سنا ہے اس کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے آفس سے چھٹی لی ہوئی ہے۔ میں اس کی عیادت کو جانا چاہتی ہوں۔"

"نو میم! مجھے تو ان کی رہائش کا علم نہیں ہے۔" اس نے صفائی سے جھوٹ بول دیا۔ اگر ٹھیک ایڈریس بتا دیتی تو یہ کل ان کے گھر پہنچ چکی ہوتی اور اماں رائمہ کا حلیہ دیکھ کر اس کی ملازمت کے خلاف ہو جاتیں۔

"اچھا! میں کسی اور ورکر سے پتا کرتی ہوں۔" رائمہ مایوس ہوئی تھی۔

مہر ماہ کے لیے اب رائمہ کی سبکتگین کی ذات میں دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ رہی تھی۔ رائمہ جتنا والہانہ انداز اپناتی' وہ اتنا ہی کٹھور بنتا تھا۔

"رائمہ! ذرا میرے آفس میں آئیے۔ کچھ آفیشلی میٹرز ڈسکس کرنے ہیں آپ سے۔" اسی لمحے باس وہاں سے گزرے اور رائمہ کو مخاطب کیا۔

"یس سر!" رائمہ مستعدی سے ان کے پیچھے چل دی۔

"لو جی! اب یہ میٹنگ چار گھنٹے چلے گی۔" نیلا ہنس کر بولی۔ سارے ورکرز نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے سرگوشیاں کرنا شروع کر دیں۔

"کمال ہے' میم رائمہ شادی شدہ' دو بچوں کی ماں۔ باس سے بھی اتنے قریبی اور گہرے تعلقات۔ اوپر سے سبکتگین حیدر سے محبت کا جادو بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔" وہ کتنی ہی دیر اس تکون پہ غور کرتی رہی' پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"مہرو! میں رات یخنی اور گاجر کا حلوہ اوپر لے گئی

تھی۔"

"اور موصوف نے کھانے سے انکار کیا ہو گا۔۔۔ ہے نا؟" وہ استہزائیہ پوچھنے لگی۔

"بس! برا ہی سوچنا۔ انکار کیوں کرتا' اسی وقت کھانا شروع کردیا۔ میں برتن بھول آئی۔ تم جاؤ برتن لے آؤ۔" حکم جاری ہوا۔

اماں اپنی پرانی جرسی کو ادھیڑ کر اون کے گولے بنانے میں مصروف تھیں۔ ناچار اسے ہی اوپر جانا پڑا۔

وہ بیڈ پہ نیم دراز میگزین کا مطالعہ کر رہا تھا۔ شیو خاصی بڑھی ہوئی تھی۔ ملگجے حلیے میں بھی اس کی شخصیت متاثر کن نظر آرہی تھی۔ اسے دیکھ کے چونک پڑا۔

"وہ۔۔۔ میں برتن لینے آئی تھی۔" اٹک اٹک کر اس نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔

"یہ رکھے ہیں۔۔۔ لے لیں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے برتنوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ برتن اٹھا کر خاموشی سے پلٹنے لگی کہ پشت پہ اس کی بھاری آواز سنائی دی۔

"مس مہماہ عنادل! میری بات سنیے ذرا۔" وہ حیران ہو کر پلٹی۔ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ لب خاموش ہی رہے۔

"آفس میں آپ کے خلاف سازش کی جارہی ہے۔ آپ یقیناً "لاعلم" ہوں گی۔ اس سازش میں باس اور ان کی پی اے صاحبہ بھی شامل ہیں۔ بی کیرفل۔" اس کے پرفسوں سراپے کو اپنی نظروں کے حصار میں لیے وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ مہماہ کی پیشانی شکنوں سے اٹتی چلی گئی۔

"بہت شکریہ آپ کی نوازش کا۔ ویسے میرے بارے میں آپ کو اتنا ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بالغ اور باشعور لڑکی ہوں۔ اچھے برے لوگوں کی پہچان مجھے اچھی طرح ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ چبا چبا کر بولی۔

"او کے ایز یو وش۔ آپ کو انفارم کرنا میرا فرض تھا۔ آفٹر آل' آپ میری مکان مالکن ہیں۔ آگے آپ کی مرضی۔" کندھے اچکا کر کہتے ہوئے وہ دوبارہ میگزین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ جلتی بھنتی نیچے آگئی۔

"ہونہہ۔۔۔ بڑا آیا میرا خیر خواہ۔" وہ کتنی ہی دیر آپ ہی آپ بڑبڑاتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اس کی خواہش پہ میڈم رائمہ نے اسے آج متوسط درجے کے علاقے کی طرف بھیجا تھا۔

"معمولی نوکریاں اور اتنے شان دار گھر۔۔۔ کمال ہے۔" وہ حیران ہوتے ہوئے سامنے گھر کو دیکھنے لگی۔ دو منزلہ سفید ماربل کا گھر' سبز بیلوں اور مختلف رنگ کے پھولوں سے سجا ہوا۔ میڈم رائمہ کے مطابق یہاں کے رہائشی مرد حضرات چھوٹا موٹا بزنس اور بیس پچیس ہزار کی نوکریاں کرتے ہیں۔ لیکن یہ گھر تو ان کی باتوں کی نفی کر رہا تھا۔ ڈرائیو وے کے دو طرف کورین لش گرین گھاس کے قطعے' انواع واقسام کے پھول' پودے' اندرونی حصے سے بھی امارت کا اظہار ہو رہا تھا۔

وہ آئیں ہمارے گھر' خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم ان کو اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ایک شوخ مردانہ آواز پہ وہ تیزی سے گھوم کے پلٹی۔

سامنے بربان لاشاری کھڑا تھا۔ چہرہ پہ تمام تر خباثت لیے۔ غلاظت سے لتھڑی آنکھیں مہماہ کے پورے وجود کا جائزہ لے رہی تھیں۔

مہماہ پہ تو ساتوں آسمان ٹوٹ پڑے۔ وہ اس دن تائید ایزدی سے بربان لاشاری کے چنگل سے بچنے کے بعد دعا کر رہی تھی کہ یااللہ اس شیطان کا دوبارہ منہ نہ دکھانا۔" مگر اگلے ہی مہینے وہ اس کے گھر میں اس کے سامنے موجود تھی۔

"تم؟" نفرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ حقارت سے بولی۔

"جی! ہم۔۔۔ آپ کے قدر دان آپ کے چاہنے والے۔"

مہماہ دروازے کی طرف لپکی۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ دروازے تک پہنچتی' پیچھے سے بربان نے اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"کہاں جاتی ہو میری جان! تمہاری جگہ تو میرے دل میں ہے۔"

"دور رہو کمینے مجھ سے۔ خبردار! جو مجھے ہاتھ لگایا تو۔"

خود کو اس شیطان کے چنگل سے چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ اس کوشش میں چادر اس کے سر سے اتر چکی تھی۔ سر کے بال بکھر کر الجھ گئے تھے۔ آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی تھیں۔

"یااللہ! میری ناموس کی حفاظت فرما۔" دل ہی دل میں اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے وہ اپنی عفت و عصمت کے بچاؤ کے لیے بھی کوشش کر رہی تھی۔ بربان لغاری کا اس کے گرد حلقہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک اس کی کمر لکڑی کے ایک ریک سے جا لگی۔ جس پر مختلف دھاتوں کی آرائشی اشیا سجی تھیں۔ پیچھے ہاتھ گھمانے سے ایک پیتل کا گلدان اس کے ہاتھ آلگا۔ وہی وزنی گلدان اس نے پوری طاقت سے بربان لاشاری کے سر پر دے مارنے میں ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر نہیں کی۔

بربان درد سے ڈکراتا ہوا پیچھے گر گیا۔ اس کے ماتھے پہ خون کا فوارہ پھوٹتے وہ دیکھ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر سنبھلتا اور اس پہ جھپٹتا' مہماہ دروازہ کھول کر اندھا دھند بھاگتے ہوئے طویل ڈرائیو وے عبور کرکے گیٹ سے نکل چکی تھی۔ اس کا بیگ وہیں رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن آفس کا ماحول معمول کے مطابق تھا۔ صرف اس کی حالت خراب تھی۔ کل بربان لاشاری کے بنگلے سے نکلنے کے بعد وہ واپس آنے کے بجائے گھر چلی گئی تھی۔ اماں اسے یوں پسینے میں شرابور' حواس باختہ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ مگر مناسب بہانے سے اس نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ مگر خود کو ایک پل سکون نہ آیا تھا۔

"اگر جو سیٹھ بربان اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جاتا' میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہتی۔" یہ سوچ کر ہی وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔ اس کی ذہنی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ دماغ تو جیسے ماؤف ہو چکا تھا۔ اپنے کیبن میں خالی الذہنی کی حالت میں بیٹھی ہی تھی کہ اسے باس کا بلاوا آگیا۔ مرے مرے قدموں سے وہ دستک دے کے اندر آئی۔

باس شعیب مرزا غصے سے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ میڈم رائمہ بھی صوفے پہ بیٹھی کڑی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مس مہماہ عنادل! پروڈکٹ گرل کا کام پروڈکٹس کی سیل ہوتا ہے۔۔۔ ناکہ اپنے کنزیومرز کی جان لینا۔" باس درشتی سے اس سے پوچھ رہے تھے۔ باس کا یہ غضب ناک رویہ اس کی "فوراً" سمجھ میں نہ آیا۔ وہ منہ کھولے حیرانی سے انہیں گرجتے برستے دیکھتی رہی۔

"آئی ایم سوری! بٹ آپ کس لیے مجھے بلیم کر رہے ہیں۔"

"اتنی انوسنٹ تو نہیں آپ کہ سمجھ نہ سکیں۔ کل آپ نے سیٹھ بربان لاشاری پہ قاتلانہ حملہ کرکے نہ صرف خود کو مصیبت میں ڈالا ہے' بلکہ ہماری کمپنی کی ساکھ کو بھی زبردست دھچکا پہنچایا ہے۔" باس غصے سے پھٹ پڑے۔

مہماہ کے پیروں سے تو جیسے زمین نکل گئی۔ اس پہلو پہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بربان لاشاری کے ماتھے پہ بہتا خون تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی تھی۔

"مگر سر! انہوں نے میرے ساتھ بدتمیزی کرنا شروع کردی تھی۔ میری عزت پر حملہ کیا تھا انہوں نے۔ کیا اپنا دفاع کرنے کا مجھے حق نہ تھا؟" وہ الٹا ان سے پوچھنے لگی۔

"شیم آن یو مہماہ! بجائے اپنی حرکت پر شرمندہ ہونے کے ایک شریف اور معزز سٹیزن پہ الزام لگا رہی ہو۔" رائمہ اس کے سامنے آکر غصے سے بولی۔ مہماہ کا

دل چاہا اس سامنے کھڑی خوب صورت بلا کا منہ نوچ لے۔

"انہوں نے تم پہ اقدام قتل ___ کردیا ہے۔ اب تم جو چاہو اسٹینڈ لے سکتی ہو۔" رائمہ کی اگلی بات نے تو اس کے حواس ہی گم کردیے۔ وہ ہراساں سی ٹکر ٹکر کبھی رائمہ تو کبھی باس کی شکل دیکھنے لگی۔

"میں آج سے ریزائن کرتی ہوں۔ بھاڑ میں جائے یہ نوکری اور سیٹھ برہان۔" وہ تیزی سے گھومتے سر کو ایک ہاتھ سے دباتے ہوئے تحمل سے بولی۔

"آں ہاں پریٹی گرل! ہماری کمپنی کا ایک رول ہے جو بھی ورکر ریزائن کرے گا' اسے پندرہ دن پہلے مجھے انفارم کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اس لیے اصولاً" تمہیں ابھی مزید پندرہ دن کام کرنا ہے۔ تمہارے اوریجنل ڈاکومنٹس جو ہمارے پاس ہیں۔" رائمہ معنی خیزی سے مسکرائی۔

مہاہ یک دم ٹھنڈی پڑ گئی۔ مردہ قدموں سے چلتی ہوئی بمشکل اپنے کیبن تک پہنچی۔

اب اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ بچا تھا کہ اماں کو ساری بات بتادی جائے۔

"میں کہتی تھی نا' تمہاری یہ نوکری ایک دن ضرور کوئی نقصان پہنچائے گی۔ لگ گیا نا بدنامی کا داغ۔ ہائے! اب کیا ہوگا مہو۔ ہم اکیلی عورتیں۔"

اماں کی دہائیاں جاری تھیں۔ ان کا ردعمل توقع کے عین مطابق تھا۔ سو وہ چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔ کچھ غلط بھی تو نہ کہہ رہی تھیں۔

"بس! کل سے تم باہر قدم نہ نکالو گی۔ لعنت ایسی نوکری پر جس میں عزت گروی رکھنی پڑے۔"

"لیکن اماں مجھے دو ہفتے لازمی جانا ہے۔ میرے اصل کاغذات ان کے پاس پھنسے ہوئے ہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"آگ لگے ان کاغذوں کو۔ خبردار جو قدم باہر نکالا تو۔" اماں غصے سے چلائیں۔

"میں حیدر بچے سے بات کرتی ہوں۔ ایسا نہ ہو کل کو پولیس ہمارے دروازے پہ آکھڑی ہو۔" وہ کچھ سوچ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھیں تو وہ فوراً ان کے سامنے آگئی۔

"اماں! ابھی اتنا اندھیر بھی نہیں مچا۔ آپ فی الحال اس سے کچھ نہ کہیں۔ اگر باس لوگ کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو پھر ہم کوئی ایکشن اٹھا سکتے ہیں۔ ورنہ یہ قبل از مرگ واویلا تو فضول ہے۔" وہ ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر لجاجت سے بولی۔

اماں کچھ دیر اس کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ پھر لمبی سانس کھینچتے ہوئے اندر کمرے میں چل دیں۔ اس نے سکون کی سانس لی۔ اگر اماں ساری رام کہانی اسے سناتیں تو اسے موقع مل جاتا تھا اپنی دکھانے کا کہ جی میں نے تو اسے خبردار کیا تھا۔ پر یہ ہی ناقص العقل ٹھہری۔ اس کے سامنے تو کسی طور وہ نیچا پڑنا نہیں چاہتی تھی کہ خوامخواہ موصوف کو اپنی بڑائی جتانے کا موقع مل جاتا۔

☼ ☼ ☼

دو دن خیریت سے گزر گئے۔ اماں نے سختی سے آفس جانے سے منع کردیا۔ اسے اپنی تعلیمی اسناد صرف میٹرک' ایف اے اور بی اے کی تھیں۔ ہاتھ سے جانے پہ دکھ ہو رہا تھا۔

"غضب ہوگیا مہو! پولیس ہمارے دروازے پہ آئی کھڑی ہے۔ ہماری تو ناک کٹ گئی۔ ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔" ابھی وہ پوری طرح آنکھیں کھول کر بیدار بھی نہ ہو پائی تھی کہ اماں افتاں و خیزاں کمرے میں داخل ہوگئیں اور سینے پہ دوہتڑ مار کر رونے لگیں۔

اوسان تو اس کے بھی خطا ہوگئے تھے۔ جھٹ دروازے پہ گئی۔ آنکھ لگا کر جھری سے دیکھا۔ واقعی دو پولیس والے کھڑے تھے۔ اس کا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حال تھا۔

"اماں! اب کیا ہوگا۔ یہ تو مجھے گرفتار کرنے آئے ہیں۔" کرسی پہ گر کر وہ رونے لگی۔

"یہ سارا فساد تیرا لایا ہوا ہے۔ نہ تو گھر سے قدم نکالتی۔ نہ اس منحوس کا سر پھاڑتی اور نہ آج یہ حال

ہوتا۔" اماں غصے میں اس پہ چلا اٹھیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ دونوں ہاتھوں سے اسے پیٹ ڈالیں۔ مگر یہ وقت ہوش سے کام لینے کا تھا۔

وہ سر جھکائے ہچکیوں میں روتی رہی اور خبر ہی نہ ہوئی کہ اماں اوپر سے سبکتگین حیدر کو بلا لائیں۔

"خالہ! آپ حوصلہ رکھیں۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ انہیں تسلی دیتا باہر گلی میں چلا گیا۔ اب جانے اس نے پولیس والوں سے پورا گھنٹہ کیا بات کی کہ وہ لوگ چلے گئے۔ مہاہ نے تشکر بھری سانس لیتے ہوئے آنسو پونچھ ڈالے۔

☼ ☼ ☼

"خالہ جان! یہ معاملہ اتنا ایزی نہیں لیا جاسکتا۔ سیٹھ برہان' شعیب مرزا اور رائمہ حسن ان سب کی ملی بھگت ہے۔ آج مہاہ کی جان خطرے سے دوچار ہوچکی ہے۔" سنجیدگی سے بولتے ہوئے وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔

"تو بیٹا! گلو خلاصی کی کوئی صورت نہیں؟" اماں نے موہوم سی امید سے پوچھا۔

"کیوں نہیں خالہ! ان لوگوں کا کیس خاصا کمزور ہے۔ ٹھیک ہے مہاہ نے سیٹھ برہان پہ حملہ تو کیا ہے۔ مگر اپنے دفاع کی خاطر۔ جسے یہ لوگ اقدام قتل کے زمرے میں لا رہے ہیں۔ صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ سیٹھ برہان کی مہاہ پہ نیت خراب ہوچکی ہے۔ وہ ایک کرپٹ اور حد درجہ عیاش شخص ہے۔ وہ مہاہ کو باآسانی اغوا بھی کراسکتا ہے۔"

"ہائے میرے مالک! یہ کس آزمائش میں ڈال دیا تو نے۔" اماں پھپھک کر رونے لگیں۔ صورت حال اتنی سنگین ہوجائے گی۔ انہوں نے سوچا نہ تھا۔

"پلیز خالہ جان! آپ پریشان نہ ہوں۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر حوصلہ بڑھانے لگا۔

"اگر آپ ان چند دنوں میں مہاہ کی شادی کریں تو معاملہ کچھ آسانی سے نمٹ سکتا ہے۔ اس قماش کے لوگ عام طور سے بزدل ہوتے ہیں۔ گھر میں کوئی مرد موجود ہو تو پھر یہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔" سبکتگین کی بات سن کر اماں رونا بھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

"پر بیٹا اتنے تھوڑے دنوں میں کہاں سے رشتہ لاؤں۔ زینت بہن بھی اس بار کسی کام کا رشتہ نہ لائیں۔ چالیس سال کا فیکٹری مالک۔ بھلا بتاؤ! میری نازک کومل سی بیٹی اتنے ادھیڑ عمر کے ساتھ کیسے رہ پائے گی۔ بے شک پیسے کی ریل پیل ہے۔" اماں مایوسی سے بولیں تو سبکتگین کو لگا اپنی بات کہنے کا موقع اس سے اچھا پھر کبھی نہیں آئے گا۔

"خالہ! میرے سارے حالات سے آپ اچھی طرح واقف ہوچکی ہیں۔ اماں' ابا بچپن میں چھوڑ گئے۔ چچا نے سر پر ہاتھ رکھا۔ پالا پوسا' پڑھایا لکھایا۔ شیخوپورہ میں اپنی آبائی زمینوں میں سے پورا شرعی حصہ دیا۔ اب سنجیدگی سے مجھ پہ شادی کا زور دے رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لڑکی میری پسند کی ہو' کیونکہ گاؤں کی الھڑ مٹیارنیں۔ انہیں اپنے بھتیجے کے لیے مناسب نہیں لگتیں۔" کہتے کہتے وہ ہولے سے ہنس دیا۔

"اگر مجھے اس لائق سمجھیں کہ میں آپ کا بیٹا بن جاؤں تو یہ میرے لیے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہوگی۔" سر جھکائے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں اپنا مدعا ان کے سامنے پیش کردیا۔

اماں کچھ دیر تو اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہیں۔ پھر اگلے ہی لمحے ان کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر آئیں۔ آگے بڑھ کر انہوں نے سبکتگین کی چوڑی پیشانی چوم لی۔

☼ ☼ ☼

"مہو! بیٹا کپڑے تو میں ساتھ درزن کو دے رہی ہوں۔ دو دن میں سی دے گی۔ لیکن جوتوں کے لیے تمہیں میرے ساتھ بازار چلنا ہوگا۔ تمہارے ناپ کا جو مجھے صحیح علم نہیں ہے۔" سونے کے کنگن دوبارہ کیس میں رکھتے ہوئے وہ مصروف انداز میں بولیں۔

ابھی کل ہی تو انہوں نے اپنے زیور پالش کروائے تھے۔ ہر چیز اتنی مکمل، سبکتگین کی صورت میں انہیں بیٹا مل گیا تھا۔ خوشی ان کے ہر انداز سے چھلکی پڑ رہی تھی۔

"اماں! میں کہہ رہی ہوں آپ سے میں کوئی نہیں شادی کرنے والی آپ کے اس بچے سے۔" آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ وہ حلق کے بل چلائی۔ وہ احتجاج کے سارے آزمودہ طریقے اپنا چکی تھی۔ مگر سب بے سود۔ اماں ہر حال میں اسے سبکتگین حیدر کے پلے باندھنے کا ارادہ کر چکی تھیں۔

"پتا نہیں کیا گھول کے پلا دیا اس جادوگر نے آپ کو۔ جس کے آگے پیچھے کا کچھ علم نہیں۔ دیکھیے گا بہروپیا ہے۔ سر پکڑ کر بیٹھی روتی رہیں گی۔" اب کے اس نے انہیں ڈرانا چاہا۔

"بس! چپ کر۔" اماں نے سختی سے ڈپٹ دیا۔

"انسانوں کی پہچان ہے مجھے۔ دھوپ میں چونڈہ سفید نہیں کیا۔ بچے کی پیشانی ہی اس کے عالی نسب کی گواہی دیتی ہے۔" اماں کا لہجہ مطمئن تھا۔

مہماہ کا رونا دھونا، حلق پھاڑنا، سب بے کار ہو گیا۔

جنوری کی ایک سرد سی شام میں وہ محلے کے چند معززین کی موجودگی میں سبکتگین حیدر کی بنادی گئی۔ ہلکے گلابی دبکے تلے کے کام والے سوٹ میں ملبوس، اماں اپنے سارے زیور اسے پہنا کر دعائیں دیتی اوپر چھوڑ آئیں۔

اماں کے جانے کے بعد وہ بیڈ سے اتر کر نیچے قالین پہ آ بیٹھی۔ بیڈ سے ٹیک لگائے وہ اپنی زندگی میں اچانک در آنے والی اس تبدیلی پہ غور کر رہی تھی۔

"کس خوب صورتی سے اپنی اچھائیوں اور خوبیوں کا جال پھینکا ہے میری ماں پہ سبکتگین حیدر نے۔ مگر میرے دل تک رسائی اتنی آسان نہیں۔ ہماری مجبوری، بے بسی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ساری زندگی اپنی اسی اچھائی کو جتا جتا کر میری زندگی میں زہر گھولتا رہے گا۔ مگر یہ بازی میں اس پہ الٹ دوں گی۔ میرے قرب تک کو ترسے گا۔ اپنے وجود کی خوشبو بھی محسوس نہ ہونے دوں گی اسے۔"

اپنی حنائی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے وہ متفکر سی سوچ رہی تھی۔ اسی دم دروازہ کھلا۔ سبکتگین ٹھہرے ہوئے مضبوط قدموں سے چلتا اندر سامنے ہی وہ پری وش پیکر بیٹھا تھا۔ نہ روایتی بار کانوں میں چھوٹی سی طلائی جھمکیاں، گلے میں دائیں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی اور کلائی میں مگر سبکتگین کو اس کا یہ روپ سروپ بہت انوکھا، فریب لگا۔ شاید یہ دل میں پنپتے نئے نویلے جذبوں کا اعجاز تھا کہ وہ اسے آسمان سے اتری کوئی اپسرا ہو رہی تھی۔ مگر اس کے چہرے پہ بے زاری و اتنی واضح تھی کہ وہ قدرے حیران ہوتا بیڈ پہ ہو گیا۔

"ساری رات یوں ہی بتانی ہے کیا؟" جذبوں سے بوجھل آواز میں پوچھتے ہوئے اس نے ذرا سا آگے ہو کر مہماہ کے بالوں کو چھوا۔ وہ کسمسا کر پہلو بدل گئی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ..... میں نیچے چلتی ہوں..... مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی۔" بمشکل بولتے ہوئے وہ نیچے قالین کو تکنے لگی۔ پھر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ سبکتگین حیدر لب بھینچے بند دروازے کو دیکھتا رہ گیا۔

اماں نے ناشتے پہ خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ انڈے، حلوہ، مغز، دودھ، دیسی گھی میں تلے پراٹھے، دہی، جانے کیا کیا۔

"مہو بیٹا! تمہیں اپنے شوہر کے ساتھ ہی نیچے آنا چاہیے تھا۔ حیدر بیٹا کیا سوچے گا۔ بیوی پہلے ہی آ گئی۔"

اماں اسے اتنے سویرے نیچے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اب انہیں کیا معلوم کہ اس نے ساری رات ان کے ساتھ والے کمرے میں گزاری ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ اوپر کمرے میں نہیں۔

"چلو! اب ناشتا تیار ہے۔ تم حیدر بچے کو بلا لاؤ۔" چائے تھرماس میں ڈالتے ہوئے اماں نے اس سے کہا۔

"اماں! میں کیسے بلا لاؤں۔" وہ تو گڑبڑا اٹھی۔

"ہائیں! شوہر کو کھانے پہ کیسے بلایا جاتا ہے؟" اماں

کو اس کی بات سن کر حیرانی ہوئی۔

"پلیز اماں! آپ خود جا کر کہہ آئیں نا۔ مجھے شرم آ رہی ہے۔" وہ بات بنا کر بولی۔ اماں سر ہلا کر اٹھ گئیں۔

"مہماہ کو دو ہفتے میرے ساتھ آفس جانا چاہیے۔ اس کے ڈاکومنٹس واپس لینا بہت ضروری ہے۔ زندگی میں بہت سے موقعوں پہ تعلیم کام آتی ہے۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے سبکتگین سنجیدگی سے بولا۔ اس کی بات سے دونوں نے اتفاق کیا۔

مہماہ روٹین کے سادہ حلیے میں تیار ہوئی۔ بائیک پہ اس کے پیچھے بیٹھنے کا خیال ہی اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ مگر وہ جوں ہی چادر لے کر باہر آئی تو اسے ——— گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

سبکتگین نے فرنٹ ڈور کھولا تو وہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی۔ واپس ڈرائیونگ سیٹ پہ آتے ہی اس نے گاڑی تیز رفتاری سے بڑھا دی۔

سبکتگین لب بھینچے ڈرائیو کرتا رہا۔ مہماہ کو امید تھی کہ وہ اس سے رات کی انسلٹ کے بارے میں پوچھے گا۔ اپنے جذبوں کی بے توقیری پہ اس پہ چلائے گا۔ مگر وہ تو مگن انداز میں ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ یہ انداز بے نیازی تو مہماہ کو سلگا گیا۔" وہ اندر رہی اندر کھولنے لگی۔

"آفس میں کسی پر بھی اپنا نیا رشتہ ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے کال کر لینا۔" سنجیدگی سے کہتا ہوا سبکتگین گاڑی سے اترا۔ اسی دم ان کے قریب رائمہ کی وائٹ کرولا آ رکی۔

"تم اس کے ساتھ کیسے؟ آج اینٹی گرلز پرفیوم اسپرے کرنا بھول گیا ہوگا شاید۔" گاڑی سے نکل کر رائمہ اس کے قریب آ کر طنز سے بولی۔ وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اندر بلڈنگ میں چل دی۔ سارا دن آفس میں خیریت ہی رہی۔

"بیٹا! یوں سادہ حلیے میں کیوں پھر رہی ہو؟ نو بیاہتا ہو۔ بنو، سنورو، سجو۔ میاں کی توجہ بھی ادھر ادھر نہیں بھٹکتی۔"

اماں نے اسے ملگجے حلیے میں دیکھ کر ٹوکا۔ محلے کی عورتیں مبارک باد دینے آ رہی تھیں۔ اسے یوں سادہ کاٹن کے کپڑوں، میک اپ، جیولری کے بغیر دیکھ کے کافی ناک بھوں چڑھایا۔ عورتوں کے آگے اماں کو بوکھلا کر وضاحتیں دیتا دیکھ کر اس نے ہلکا سبز کام والا جارجٹ کا سوٹ پہن لیا۔ دونوں ہاتھوں میں بھر بھر چوڑیاں ڈالیں۔ آنکھوں میں کاجل کی لکیر کھینچی۔ گداز ہونٹوں پہ ہلکی لپ اسٹک لگا کر پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا۔ پھر ذرا دور ہٹ کر آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ دھیرے دھیرے زینہ چڑھتی وہ اوپر کمرے میں آ گئی۔ اس کا روز یہی معمول تھا۔ اماں کے سوتے ہی نیچے آ کر رات بسر کرتی۔

وہ اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی۔ مگر اس کی ایک گہری نظر سے ہی خود پہ چڑھائے لاتعلقی کے خول میں دراڑ پڑنے لگتی تھی۔

اس کے وجود سے اٹھتی قیمتی کلون کی خوشبو، اس کا دھیما گمبھیر لہجہ، گہری شفاف آنکھوں کا نرمی سے دیکھنا، یہ سب مل کر اس کے گرد ایک طلسم سا باندھ دیتے۔ وہ اس حصار میں بندھی بے بس ہو جاتی۔ قطرہ قطرہ پگھلنے لگتی۔ دل اس ستم گر کو دیکھنے کو چاہتا۔ مگر سینے سے لگی ٹھوڑی اوپر اٹھنے سے ہی انکار کر دیتی۔ وہ تو سوچے ہوئے تھی کہ جب وہ وارفتگی سے اس کی طرف پیش قدمی کرے گا، وہ بری طرح اسے جھڑک دے گی۔ جب وہ محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی محبت و چاہت کا قصہ سنانا شروع کرے گا، وہ سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر دور کھڑی اس کی بے تابیوں کا لطف لے گی۔ اسے تڑپائے گی، کلسائے گی۔

مگر الٹی ہو گئیں سب تدبیریں۔

اس کے احساسات ایک دم سے بدلے تھے۔ اپنی بدلتی ہوئی کیفیات پر اسے خود حیرانی ہو رہی تھی۔ کمرہ خالی تھا۔ جاب کے بعد وہ اسے گھر ڈراپ کر کے کہیں چلا جاتا تھا۔

پورے کمرے میں اس کے وجود کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک لمبی سانس کھینچ کر وہ صوفے پہ بیٹھ گئی۔

آج جب رات بھیگ چکی ہوگی اور وہ نیچے جانے کا قصد کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوگی۔ وہ دشمن جاں اس کا ارادہ بھانپ کر اس کا مرمریں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام لے گا۔ محبت بھرے لہجے میں کہے گا۔

"بس مہماہ عنادل! اب بس کرو۔ اس سے زیادہ خود پہ ظلم کا مجھ میں یارا نہیں۔ وہ خود میں ہاتھ چھڑانے کی طاقت کیسے لا پائے گی۔ جب دل ہی داسی بن کر اس کے چرنوں میں بیٹھ کر عمر بتانے کے ارادے میں ہو۔"

دروازے پہ کھٹکا ہوا تو وہ خیالوں سے چونک کر نکلی۔

سبکتگین اندر آیا۔ اسے دیکھا۔ مگر زباں سے کچھ نہ کہا۔ الماری سے شلوار سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گیا۔ مہماہ نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا میگزین اٹھالیا۔ چہرے پہ بے نیازی کا تاثر سجائے ورق گردانی کرنے لگی۔ لیکن یہ بے نیازی و لاپروائی اس کے سامنے بھاپ کی مانند اڑ گئی۔ اب صرف گھبراہٹ ہی تھی۔

واش روم سے نکلنے کے بعد اس نے بالوں میں برش چلایا۔ پھر ریموٹ لے کر بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا۔

"از ایوری تھنگ آل رائٹ؟ دس بج رہے ہیں اور تم نیچے سونے نہیں گئیں؟" وہ جو کچھ اور سننے کی منتظر سر جھکائے بیٹھی تھی، جھٹکے سے اوپر دیکھا۔

"میں نے پوچھا آج نیند نہیں آرہی؟" وہ ہونٹ دبائے نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ مگر سیاہ آنکھوں سے چھلکتی شوخی مہماہ کی جان جلا کر خاکستر کر گئی۔

"جا رہی ہوں۔ آپ کو فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میگزین سائیڈ پہ پٹخ کے وہ تڑخ کے بولی۔ پھر جھٹکے سے دروازہ کھول کے باہر نکل گئی۔

جو ہم محسوس کرتے ہیں
اگر تم تک پہنچ جائے
تو بس اتنا سمجھ لینا
یہ ان جذبوں کی خوشبو ہے
جنہیں ہم کہہ نہیں سکتے
مگر تم جو اجازت دو
تو چند لفظوں میں کہہ ڈالوں
کہ۔۔۔
تم بن مر تو سکتے ہیں
تم بن جی نہیں سکتے

☼ ☼ ☼

آج اس کی جاب کا آخری دن تھا۔ وہ دل لگا کر تیار ہوئی۔ آف وائٹ کلیوں والا فراک جس کی آستینیں چوڑی دار تھیں۔ گلے اور گھیر پہ عنابی کام کیا گیا تھا۔ ساتھ میں تنگ چوڑی دار پاجامہ، بڑا سا میچنگ دوپٹا اوڑھا۔ لمبے بالوں کی سادہ سی چوٹی بنا کے آگے ڈال لی۔ کانوں میں اسٹیل کے بالے، آنکھوں میں کاجل کی لکیر کھینچ کر وہ باہر آگئی۔

اماں نے بلائیں لے کر چہار قل پڑھ کے اس پہ پھونکے۔ کف کے بٹن بند کرتے تیزی سے زینہ اترتے سبکتگین حیدر کے قدم بھی ٹھٹک کے رک گئے تھے۔ اس کی نظروں میں ستائش آسمائی تھی۔

"چلیں پھر دیر ہو رہی ہے۔" لمحوں میں خود پہ قابو پا کے وہ اس کے قریب آکے نارمل انداز میں بولا۔

گاڑی میں آج پھر وہی جان لیوا خاموشی بول رہی تھی۔ سگنل پہ رکتے ہی پھول بیچنے والا لڑکا بھاگ کے کھڑکی پہ آیا۔

"بھائی جان! پھول چاہئیں؟" مہماہ کا دل اک نئی لے پہ دھڑکنے لگا۔ اس نے دو عدد گجرے اور تین لڑیاں لے کر ڈیش بورڈ پر رکھ دیں۔

تازہ گلاب اور بیلے کی خوشبو سے گاڑی کی فضا مہک اٹھی۔

"خوامخواہ کیوں پھول لے لیے۔ لازمی پیسے برباد کرنے تھے۔" مہماہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ وہ خوامخواہ جھنجلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔ دل نہ جانے کیوں بھر آرہا تھا۔

"بس ایسے ہی لے لیے۔" موڑ کاٹتے ہوئے

سبکتگین نے "مختصرا" جواب دیا۔

"غریب بچہ تھا۔ ہم بھکاریوں کو تو آرام سے پیسے دے دیتے ہیں۔ مگر ان غریبوں کو اجرت دینے کی سکت نہیں رکھتے۔ اب دیکھو نا، تھوڑے سے پیسوں سے گاڑی میں کتنی خوشبو رچ گئی ہے۔" اس کے تپے تپے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ آرام سے بولا۔ وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"کوئی خوشبو نہیں رچی۔ بیلے کی خوشبو سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔" غصے سے بولتے ہوئے مہماہ نے وہ پھول اٹھا کر گاڑی کے باہر پھینک دیے۔

"کسی کی محنت کو یوں ضائع کرتے ہیں۔ کوئی نقصان دے رہے تھے۔ یہاں پڑے ہوئے۔" سبکتگین متاسف لہجے میں بولا۔

"کوئی فائدہ بھی نہیں دے رہے تھے۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"عجیب ہے تم خوشبو سے الرجک ہو۔ حالانکہ لڑکیاں تو خوشبو کی دیوانی ہوتی ہیں۔" سبکتگین نے کندھے اچکا کر حیرت کا اظہار کیا۔

"مجھے پروین شاکر کی "خوشبو" اچھی لگتی ہے بس۔" خاصے چڑے ہوئے انداز میں جواب دے کر وہ زور سے گاڑی کا دروازہ بند کرتی اتر آئی۔ سبکتگین کی دبی دبی مسکراہٹ بے ساختہ ہنسی میں بدلی تھی۔ اپنے کیبن میں بیٹھ کر کام نمٹانے کے بجائے وہ ساتھی ورکرز سے گپ شپ لگاتی رہی۔ اسی دم چپراسی نے اسے باس کے بلاوے کا پیغام دیا۔ وہ جب آفس پہنچی تو وہاں باس اور مس رائمہ کے ساتھ دو پولیس والوں کو بھی اپنا منتظر پایا۔ اس کے تو چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"مس مہماہ! ہمارے پاس آپ کے وارنٹ گرفتاری ہیں۔ آپ پہ سیٹھ برہان لاشاری کے اقدام قتل کا الزام ہے۔" ایک پولیس والا سختی سے اس سے مخاطب ہوا۔ اس نے مدد طلب نظروں سے باس کو دیکھا۔

"سوری! ہم کسی ورکر کی مجرمانہ سرگرمیوں کی اعانت کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ قانون کے ساتھ تعاون ہمارا فرض ہے۔" باس رکھائی سے بولے۔ وہ کچھ کہنے کے بجائے ٹیبل پہ رکھے فون پہ نمبر ملانے لگی۔

"پلیز سبکتگین! آپ ذرا باس کے آفس میں آجائیں؟" وہ پریشانی سے بولی۔ خوف و دہشت سے جیسے اس کے اعصاب ختم ہوئے جا رہے تھے۔

"اسے کیوں بلا رہی ہو؟ کیا لگتا ہے تمہارا؟" رائمہ طنز سے پوچھنے لگی۔ اسے کوئی جواب دینے کے بجائے وہ سبکتگین کا انتظار کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہ آگیا۔

"جی کیا مسئلہ ہے؟" وہ تمام نفوس پہ سرسری نظر ڈالتے ہوئے پولیس والوں سے دبنگ انداز میں پوچھنے لگا۔

"ہم مس مہماہ کو تھانے لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ ان پہ سیٹھ برہان پر حملہ کرنے کا الزام ہے۔" پولیس آفیسر کی بات سن کر اس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"تھانے لے جانا چاہتے ہیں یا سیٹھ برہان لاشاری کے بنگلے پہ؟" اس نے سخت کٹیلے لہجے میں پوچھا۔ پولیس آفیسرز کے ساتھ ساتھ رائمہ اور شعیب مرزا کے چہرے کا رنگ بھی فق ہو گیا۔

"دیکھیے مسٹر! آپ جو بھی ہیں، اس معاملے سے دور رہیں۔ ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔" پولیس والے کو اس کی مداخلت سخت بری لگی۔ تب ہی درشتی سے بولا۔

"میں سبکتگین حیدر، مہماہ کا شوہر ہوں۔ یہ میری قانونی اور شرعی بیوی ہیں۔ ان کا تحفظ میرا اولین فرض ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا تو مہماہ کو ایسا لگا، جیسے وہ جلتی بلتی دھوپ سے ایک ٹھنڈے سایہ دار سائبان تلے آگئی ہو۔ سارے وہم و گمان، تفکرات کہیں دور منہ چھپا کے بھاگ گئے تھے۔ رائمہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

"تت، تم نے اس سے شادی کرلی؟" وہ شاکڈ سی سبکتگین کو دیکھنے لگی۔

"اس شہر کے ڈی ایس پی میرے دوست ہیں۔ آپ ذرا اپنے اوریجنل پیپرز دکھائیے۔ تاکہ پتا چل

سکے کہ آپ کس تھانے سے آئے ہیں۔ تھانے سے واقعی آئے ہیں یا پھر وردیاں کرائے پر لی ہیں؟" وہ پولیس والوں سے طنزیہ انداز میں مخاطب ہوا۔

ان نوسربازوں کی ساری طراری منٹوں میں ہوا ہوگئی۔ ڈرامے کا ڈراپ سین آخر ہو ہی گیا۔

"مجھے بہت افسوس ہے سر! کہ آپ بھی ایسی گھناؤنی سازش میں ملوث تھے؟" اب کے وہ شعیب مرزا سے مخاطب ہوا۔

"بجائے اپنے ورکرز کا دفاع کرنے کے سیٹھ برہان جیسے کرپٹ اور عیاش انسان کے ہاتھوں کھلونا بنے رہے۔ یہ میرا استعفیٰ ہے۔ میں یہاں اب مزید کام نہیں کر سکتا۔" جیب سے اس نے استعفیٰ نکال کر باس کی ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"نہیں سبکتگین! ایسے مت کرو۔ تم میرے انتہائی محنتی اور ایماندار آفس ممبر ہو۔" شعیب مرزا لجاجت سے بولے۔

"مہماہ کو برہان کے پاس بھیجنے اور پولیس ڈراما۔ یہ سب رائمہ کے شیطانی ذہن کی کارستانی ہے۔ میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔" شعیب مرزا نے تو جیسے سارے راز فاش کر دیے۔

"شٹ اپ مرزا! سارا ملبہ مجھ پہ ڈال کے خود بری الذمہ ہو رہے ہو؟" رائمہ غصے میں حلق کے بل چیخی۔

"حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود مہماہ کو اس کے حوالے کرنے پر سیٹھ برہان سے لاکھوں کی ڈیلنگ کی ہے۔" وہ زہرخند انداز میں بولی۔ دونوں جیسے آج ایک دوسرے کے چہرے پہ پڑے نقابوں کو ہٹانے کے درپے تھے۔

"چلو مہماہ! ہم چلتے ہیں۔" سبکتگین نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں کو پیچھے جھگڑتا چھوڑ کر وہ پارکنگ میں آگئے۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔

"اف! اتنے خطرناک لوگ بھی ہیں اس دنیا میں۔" گاڑی سے باہر رواں دواں زندگی کو دیکھتے ہوئے اس نے دکھ سے سوچا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اسے مسلسل خاموش سبکتگین نے نرمی سے پوچھا۔

"بس یہی کہ اگر یہ سب لوگ اپنے گندے ... میں کامیاب ہو جاتے تو میرا کیا ہوتا۔ شاید میری ... دعائیں مجھے بچا لائی ہیں۔"

"اماں کی دعائیں اور میری محبت بھی ..."

"محبت؟" مہماہ نے چونک کر اسے دیکھا ... سیاہ آنکھیں جذبوں کی لو سے چمک رہی تھیں ... تپش سے گھبرا کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

"باس ہوں، رائمہ یا سیٹھ برہان، ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ کرپٹ، لالچی اور دولت کے پجاری۔" سبکتگین نے بات بدل دی۔ وہ جی بھر کے بدمزا ہوئی۔

"یہ بندہ اظہار میں اتنا بخل سے کام کیوں لیتا ہے ..."

"رائمہ صرف باہر سے اٹریکٹیو ہے۔ مگر اندر ... عورت بہت کرپٹ ہے۔ مڈل کلاس گھرانے سے تعلق ہے۔ شوہر کسی اور فیکٹری میں معمولی ... ہے۔ مگر باس شعیب مرزا کے عالی شان گھر پر برسوں سے بغیر کسی شرعی تعلق کے رہ رہی ہے۔"

"اف میرے خدایا!" مہماہ تو اس انکشاف پہ ... ہوگئی۔

"افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ان دونوں کے ناجائز مراسم کا رائمہ کے شوہر کو پورا علم بھی ہے؟"

"اف! یہ کردار کی پستی کی کون سی حد ہے۔" ... تاسف سے بولی۔

"بس! ناجائز دولت کے حصول کی اندھا دھند کوشش۔" سبکتگین سادگی سے بولا۔

"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ یہ گھر کا راستہ تو نہیں ہے۔" خود کو انجانے راستے سے گزرتا پا کے وہ بے کلی سے بولی۔

"ہم وہاں جا رہے ہیں۔ جہاں ہمیں جانا چاہیے۔" مبہم سی بات اس کے پلے نہ پڑی۔

گاڑی ایک خوب صورت ـــــــــ گھر کے سامنے آ کر رک گئی۔

وہ الجھی سی اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ گھر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سبزے اور پھولوں کی بہتات تھی۔ پھلوں کی مہک فضا میں رچی ہوئی تھی۔

"یہ ہم کہاں آگئے؟"

"اپنے گھر۔" سبکتگین نے مختصر جواب دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک بے حد آرام دہ بیڈروم میں آگئے۔

"یہ ہمارا یعنی میرا اور تمہارا بیڈروم ہے۔ آئندہ تمہاری اوپر نیچے کی اٹھک بیٹھک برداشت نہیں کی جائے گی۔" وہ مصنوعی رعب سے بولا۔

"یہ گھر میں دو سالوں سے تعمیر کرا رہا تھا۔ پسند آیا؟" مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

جواب دینے کے بجائے وہ اس وسیع کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ جہازی سائز بیڈ، نفیس سرسراتے ریشمی پردے، بیش قیمت فرنیچر، دیواروں پہ سجی نایاب پینٹنگز اور خطاطی کے نمونے۔

"شاہ جہاں نے ممتاز کے لیے تاج محل بنا کر ہم غریبوں کی محبت کا مذاق اڑایا ہے۔ میں محل تو نہیں البتہ ایک خوب صورت سا چھوٹا گھر ضرور بنانا چاہتا تھا جو میرے دل کی رانی کے شایانِ شان ہو۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے بولا۔

"مہماہ! تم لو ایٹ فرسٹ سائٹ کی قائل ہو؟" وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ اب اس سے کیا کہتی۔

"مجھے تم سے پہلی نظر میں محبت ہوئی تھی۔ جب تم گیلے بال بکھرائے آنکھیں موندے چیئر پہ دھوپ سینک رہی تھیں۔ میرا دل اسی دن تمہارا اسیر ہوا تھا۔ ابھی میں قدرت کے اس دلکش شاہکار پہ اللہ کی تعریف کر بھی نہ پایا تھا کہ تم نے مجھ پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔" وہ اسے پرانے دنوں کی یاد دلا رہا تھا۔ وہ بے طرح شرمندہ ہوئی۔

"آپ کی حرکتیں جو اتنی مشکوک تھیں۔ بنا تعارف کے گھر میں گھس آئے تھے۔ میرا گھبرانا تو فطری تھا ناں۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"آفس میں جب تمہارے خلاف سازش کا علم ہوا تو میں پریشان ہو اٹھا۔ تمہیں ہر مصیبت سے بچانا تو گویا میری زندگی کا مشن بن گیا تھا۔ ہر بار خود سے سوال کیا۔ ازاٹ لو سبکتگین؟ اتنی بے قراری اور بے چینی صرف مہماہ کے لیے کیوں؟ تمہارے لیے میرا "ہو کیئرز" والا اسٹائل نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ میری محبت سچی تھی۔ تب ہی میرے جذبے بار آور ٹھہرے اور آج تم میرے ساتھ ہو۔" دھیرے دھیرے بولتا ہوا وہ اس کے کانوں میں امرت گھول رہا تھا۔

"میرے چاچا نے شیخوپورہ میں اپنی اور ابا کی مشترکہ زمینیں بیچیں تو مجھے بھی میرا شیئر مل گیا۔ میرا ارادہ ان پیسوں سے اپنی فیکٹری لگانے کا تھا۔ لیکن تجربہ نہ تھا۔ اس لیے دو سال شعیب اینڈ کمپنیز میں کام کیا۔ تاکہ کچھ کاروباری اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر لوں۔ میری اپنی فیکٹری تقریباً" تکمیلی مراحل میں ہے۔" وہ اس کی صبیح پیشانی کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"کافی دیر ہوگئی ہے۔ گھر چلتے ہیں۔ اماں پریشان ہو رہی ہوں گی۔" کھڑکی سے باہر اترتے اندھیرے کو دیکھ کر وہ فکرمندی سے بولی۔

"یہ اماں کا کمرہ ہوگا۔ بالکل ہمارے سامنے۔" بیڈروم سے باہر آ کر سبکتگین نے سامنے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا اماں یہاں رہیں گی؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"تو وہ اس ٹوٹے پھوٹے گھر میں اکیلی کیسے رہیں گی؟ جب ہم یہاں ہوں گے تو لازمی انہیں بھی میں ادھر لے آؤں گا۔" وہ اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ کچھ کہنے کے بجائے اس کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر آئیں۔ آگے بڑھ کر سبکتگین کے کندھے پہ اپنا سر ٹکا دیا۔ یہ شخص اس کے لیے ابدی خوشیوں کا پیامبر بن کر آیا تھا۔

"ارے پگلی! وہ میری بھی ماں ہیں نا۔ ماں اپنے بیٹے کے گھر میں نہیں رہے گی تو کہاں رہے گی بھلا۔" نرمی سے بولتے ہوئے سبکتگین نے اپنے بازوؤں کا مضبوط حصار اس کے گرد باندھ دیا۔ ✿